بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# راہ سلوک

یعنی

سلوک راہ نبوت　　سلوک راہ ولایت

## حضرت سید احمد شہیدؒ کی تعلیمات کا خلاصہ

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

جمع وترتیب وپیشکش

سید سحبان ثاقب ندوی

جملہ حقوق محفوظ

# باراول

سنہ ۱۴۴۰ھ سنہ ۲۰۱۹ء

نام کتاب:.....راہ سلوک

مؤلف:.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صفحات:.....۱۸۸

تعداد اشاعت:..... ۱۰۰۰

قیمت:.....۱۲۵

ناشر

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

# فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | مقدمہ | ۱۳ |
| ۲ | حرف آغاز | ۱۸ |
| ۳ | خلاصہ راہ سلوک | ۳۱ |
| ۴ | بیعت کے مقاصد | ۳۲ |
| ۵ | بیعت کی حقیقت | ۳۳ |
| ۶ | بیعت کی شرعی حیثیت | ۳۳ |
| ۷ | بیعت رضوان | ۳۷ |
| ۸ | مرشد کے اوصاف والفاظ بیعت | ۳۸ |
| ۹ | سالک راہ کے لیے اہم نصائح واذکار | ۴۰ |
| ۱۰ | مراقبہ | ۴۲ |
| ۱۱ | پاس انفاس کا طریقہ | ۴۲ |
| ۱۲ | ذکر خفی کے تین طریقے | ۴۳ |
| ۱۳ | نفی واثبات کے ذکر کا طریقہ | ۴۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴ | طریقت کے اصول | ۴۵ |
| ۱۵ | حضرت شاہ ولی اللہ کے سلاسل | ۴۶ |
| ۱۶ | وجہ اول، اویسیہ | ۴۷ |
| ۱۷ | وجہ ثانی: بطریق بیعت واجازت | ۴۷ |
| ۱۸ | سلسلہ قادریہ | ۵۰ |
| ۱۹ | سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ | ۵۳ |
| ۲۰ | حضرت سید احمد شہید کا راہ سلوک | ۵۶ |
| ۲۱ | راہ خدا میں | ۵۶ |
| ۲۲ | سفر دہلی | ۵۷ |
| ۲۳ | سلام مسنون | ۶۰ |
| ۲۴ | بیعت وسلوک کا آغاز | ۶۰ |
| ۲۵ | شغل برزخ کی تلقین | ۶۱ |
| ۲۶ | تصور شیخ سے معذرت کی وجہ | ۶۲ |
| ۲۷ | ولایت انبیاء سے مناسبت | ۶۵ |
| ۲۸ | رمضان میں حضرت کی باطنی ترقیات | ۶۶ |
| ۲۹ | طریق نبوت کی ابتداء | ۶۷ |
| ۳۰ | حضرت علیؓ کی خواب میں زیارت | ۶۸ |
| ۳۱ | حصول نسبت مشائخ | ۶۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲ | صراط مستقیم | ۷۰ |
| ۳۳ | طریق سلوک راہ نبوت کے بیان میں | ۷۲ |
| ۳۴ | قرآن ہی راہ نجات ہے | ۷۲ |
| ۳۵ | قرآن کی عظمت | ۷۳ |
| ۳۶ | سچی توبہ کا پہلا قدم | ۷۴ |
| ۳۷ | قرآن سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہے | ۷۶ |
| ۳۸ | توبہ کے فوائد | ۷۷ |
| ۳۹ | حقیقت قرآنی | ۷۸ |
| ۴۰ | تلاوت قرآن اور اللہ کے انعامات کا مراقبہ | ۷۹ |
| ۴۱ | قرآن کو تدبر کے ساتھ پڑھنا مفید ہے | ۷۹ |
| ۴۲ | مراقبہ صمدیت | ۸۰ |
| ۴۳ | مخلوق کے ساتھ حسن سلوک | ۸۱ |
| ۴۴ | سالکین راہ نبوت کے اقسام | ۸۲ |
| ۴۵ | راہ نبوت کا کمال | ۸۲ |
| ۴۶ | غلام اپنے مالک کا پابند ہے | ۸۲ |
| ۴۷ | چاہت کو فنا کرنا مقصود ہے | ۸۳ |
| ۴۸ | مراقبۂ عظمت | ۸۵ |
| ۴۹ | معیت الٰہی کا تصور | ۸۵ |
| ۵۰ | اللہ کا ہاتھ ہم سب کو تھامے ہوئے ہے | ۸۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۱ | خوف قلبی اور خوف طبعی | ۸۸ |
| ۵۲ | مراقبۂ الوہیت | ۸۹ |
| ۵۳ | اخلاق الٰہی کا پرتو | ۹۰ |
| ۵۴ | شان حلم وعفو | ۹۰ |
| ۵۵ | فیض عمومی | ۹۰ |
| ۵۶ | شان وسعت | ۹۰ |
| ۵۷ | شان بے نیازی | ۹۱ |
| ۵۸ | شفقت کی مثال | ۹۲ |
| ۵۹ | طالب راہ نبوت کے اخلاق | ۹۳ |
| ۶۰ | مراقبوں کے اثرات | ۹۴ |
| ۶۱ | فائدہ | ۹۴ |
| ۶۲ | مراقبۂ الوہیت کے آثار | ۹۷ |
| ۶۳ | اللہ کا نور ہدایت | ۹۷ |
| ۶۴ | حجر بحت | ۹۹ |
| ۶۵ | طالبین راہ نبوت خاصان خدا ہیں | ۱۰۲ |
| ۶۶ | فائدہ | ۱۰۲ |
| ۶۷ | ارباب کمال کے تین گروہ | ۱۰۴ |
| ۶۸ | ہر گروہ مقام بلند پر فائز ہے | ۱۰۶ |
| ۶۹ | راہ سلوک ولایت | ۱۰۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۰ | طریقہ قادریہ | ۱۰۸ |
| ۷۱ | افادہ۔۱۔ یک ضربی ذکر کا طریقہ | ۱۰۸ |
| ۷۲ | افادہ۔۲۔ دوضربی ذکر کا طریقہ | ۱۰۹ |
| ۷۳ | افادہ۔۳۔ سہ ضربی ذکر کا طریقہ | ۱۱۰ |
| ۷۴ | افادہ۔۴۔ چہار ضربی ذکر کا طریقہ | ۱۱۰ |
| ۷۵ | فائدہ | ۱۱۰ |
| ۷۶ | فکر کے اقسام | ۱۱۱ |
| ۷۷ | افادہ۔۱۔ مراقبہ وحدانیت | ۱۱۱ |
| ۷۸ | افادہ۔۲۔ مراقبہ صمدیت | ۱۱۲ |
| ۷۹ | مراقبہ صمدیت کے ثمرات | ۱۱۲ |
| ۸۰ | افادہ۔۳۔ شغل دورہ | ۱۱۳ |
| ۸۱ | شغل دورہ کے اثرات | ۱۱۴ |
| ۸۲ | افادہ۔۴۔ شغل نفی | ۱۱۵ |
| ۸۳ | شغل نفی قوت مدرکہ کو پاک کرتا ہے | ۱۱۶ |
| ۸۴ | نفی کے دو درجہ | ۱۱۶ |
| ۸۵ | مشکل چیز کو سب سے پہلے ہدف بنائیں | ۱۱۷ |
| ۸۶ | نفی کا تصور | ۱۱۷ |
| ۸۷ | شغل نفی کے ساتھ یادداشت ضروری ہے | ۱۱۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸۸ | فائدہ | ۱۱۹ |
| ۸۹ | افادہ:۵۔نفی النفی اورفناء الفناء | ۱۲۰ |
| ۹۰ | چھٹاافادہ:انوارحجاب راہ ہیں | ۱۲۱ |
| ۹۱ | افادہ:۷۔سیرفی اللہ | ۱۲۲ |
| ۹۲ | دوسری فصل | ۱۲۳ |
| ۹۳ | طریقہ چشتیہ کے اشغال | ۱۲۳ |
| ۹۴ | افادہ:۱۔ذکر”أللّٰهُ اللّٰهُ“ | ۱۲۳ |
| ۹۵ | افادہ:۲۔ذکر”الا اللّٰہ“ کاطریقہ | ۱۲۴ |
| ۹۶ | افادہ:۳۔لفظ”اللّٰہ“ کے ذکرکاطریقہ | ۱۲۴ |
| ۹۷ | افادہ:۴۔ذکرنفی واثبات | ۱۲۵ |
| ۹۸ | افادہ:۵۔مراقبۂ نورانیت | ۱۲۶ |
| ۹۹ | متفرق فوائد کے بیان میں | ۱۲۷ |
| ۱۰۰ | افادہ:۱۔”یا حی یا قیوم“ | ۱۲۷ |
| ۱۰۱ | افادہ:۲۔کشف قبور | ۱۲۸ |
| ۱۰۲ | تیسری فصل | ۱۲۹ |
| ۱۰۳ | طریقہ نقش بندیہ کے اشغال کے بیان میں | ۱۲۹ |
| ۱۰۴ | تمہید:۔لطائف ستہ کا بیان | ۱۲۹ |
| ۱۰۵ | طریقہ نقش بندیہ کے ذکر کے اقسام | ۱۳۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰۶ | افادہ:۱۔لطائف کے اذکار | ۱۳۰ |
| ۱۰۷ | افادہ:۲۔ذکر نفی واثبات کا طریقہ | ۱۳۱ |
| ۱۰۸ | افادہ:۳۔سلطان الذکر | ۱۳۲ |
| ۱۰۹ | سلطان الذکر کے اثرات | ۱۳۳ |
| ۱۱۰ | افادہ:۴۔شغل نفی | ۱۳۴ |
| ۱۱۱ | فائدہ | ۱۳۴ |
| ۱۱۲ | دوسری ہدایت | ۱۳۵ |
| ۱۱۳ | متفرق فوائد کے بیان میں | ۱۳۵ |
| ۱۱۴ | افادہ:۱۔شغل دورہ سے مقامات کا کشف | ۱۳۵ |
| ۱۱۵ | افادہ:۲۔آئندہ واقعات کے کشف کا طریقہ | ۱۳۵ |
| ۱۱۶ | وساوس اور الہام میں فرق | ۱۳۷ |
| ۱۱۷ | چوتھی فصل<br>طریقہ مجددیہ کے اصطلاحات کے حل میں | ۱۳۸ |
| ۱۱۸ | تمہید | ۱۳۸ |
| ۱۱۹ | سلسلہ مجددیہ میں لطائف کے مقامات | ۱۳۸ |
| ۱۲۰ | لطائف کو ذاکر بنانا | ۱۳۸ |
| ۱۲۱ | نفی واثبات کے ذکر سے اپنی نفی کرنا | ۱۳۹ |
| ۱۲۲ | دائروں کا مراقبہ | ۱۴۰ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۳ | اکابرین مجددیہ کے الفاظ مستعملہ کی تفسیر | ۱۴۱ |
| ۱۲۴ | مراقبہ احدیت | ۱۴۱ |
| ۱۲۵ | ولایت قلبی | ۱۴۲ |
| ۱۲۶ | ولایت کبریٰ | ۱۴۳ |
| ۱۲۷ | معیت اور اقربیت | ۱۴۴ |
| ۱۲۸ | ولایت کبریٰ کی علامت | ۱۴۵ |
| ۱۲۹ | نور کا انکشاف اور قرب و معیت | ۱۴۵ |
| ۱۳۰ | محبت کے تین درجے | ۱۴۶ |
| ۱۳۱ | مراقبہ اسم "الظاھر" | ۱۴۷ |
| ۱۳۲ | لطیفہ نفس کو اصل قرار دینے کی وجہ | ۱۴۸ |
| ۱۳۳ | اسم "ألباطن" کی سیر | ۱۴۹ |
| ۱۳۴ | عناصر انسانی کی فطرت | ۱۴۹ |
| ۱۳۵ | ذاتی دائمی تجلی کی سیر | ۱۵۰ |
| ۱۳۶ | رسولوں اور انبیاء کا فرق | ۱۵۴ |
| ۱۳۷ | حقائق الٰہیہ | ۱۵۷ |
| ۱۳۸ | حقیقت کعبہ | ۱۵۷ |
| ۱۳۹ | مراقبہ ذات حق | ۱۵۷ |
| ۱۴۰ | کلام الٰہی کی معجز بیانی کی تین وجوہات | ۱۵۸ |
| ۱۴۱ | حقیقت نماز | ۱۵۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴۲ | معبودیت کا مراقبہ | ۱۵۹ |
| ۱۴۳ | حقائق انبیاء | ۱۶۱ |
| ۱۴۴ | حقیقت ابراہیمی | ۱۶۱ |
| ۱۴۵ | حقیقت موسوی | ۱۶۱ |
| ۱۴۶ | خلت اور محبت | ۱۶۲ |
| ۱۴۷ | محبت کے تین درجے | ۱۶۲ |
| ۱۴۸ | حقیقت محمدیہ | ۱۶۳ |
| ۱۴۹ | حقیقت احمدیہ | ۱۶۳ |
| ۱۵۰ | حب صرفہ | ۱۶۴ |
| ۱۵۱ | دوسری نسبتوں سے استفادہ کا طریقہ | ۱۶۵ |
| ۱۵۲ | حضرت سید احمد شہید کے اوراد و وظائف کشف قبر کا طریقہ | ۱۶۷ |
| ۱۵۳ | تعلقات درست کرنے کا وظیفہ | ۱۶۸ |
| ۱۵۴ | شہر بنارس کی تاریکی | ۱۷۰ |
| ۱۵۵ | دنیا و آخرت کی فلاح کا بہترین نسخہ | ۱۷۰ |
| ۱۵۶ | زکوۃ کی ادائیگی ضروری ہے | ۱۷۱ |
| ۱۵۷ | زکوٰۃ کی ادائیگی سے باغ سرسبز ہو گیا | ۱۷۲ |
| ۱۵۸ | ادائیگی قرض کے لیے مجرب عمل | ۱۷۳ |
| ۱۵۹ | مرگی کا علاج | ۱۷۵ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۰ | آنکھ کی دوا نے حالات بدل دیئے | ۱۷۵ |
| ۱۶۱ | کشائش رزق کے لیے سورہ مزمل کی کثرت تلاوت | ۱۷۷ |
| ۱۶۲ | روزی میں برکت کا وظیفہ | ۱۷۹ |
| ۱۶۳ | جہاز پر حزب البحر کی تلاوت | ۱۷۹ |
| ۱۶۴ | مدینہ کے راستہ میں | ۱۸۰ |
| ۱۶۵ | توجہ دینے کی تعلیم | ۱۸۲ |
| ۱۶۶ | ”لاالہ الا اللّٰہ“ کی برکت | ۱۸۳ |
| ۱۶۷ | جہاد کے راستے میں | ۱۸۴ |
| ۱۶۸ | مجرب و نایاب سرمہ | ۱۸۶ |
| ۱۶۹ | وبا سے حفاظت | ۱۸۶ |
| ۱۷۰ | ایک مجرب عمل اور اس کا طریقہ | ۱۸۷ |
| ۱۷۱ | مصادر و مراجع | ۱۸۸ |

# مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد، و علیٰ آلہ و صحبہ أجمعین:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پرواز کی بڑی صلاحیت رکھی ہے، وہ زمینی مخلوق ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے اعمال اختیار کر کے سیر الی اللہ کا فائدہ اٹھاتا ہے، اور اللہ کے تقرب کے منازل طے کرتا ہے، بہت سے وہ اعمال جو ظاہر میں دنیا کے اعمال سمجھے جاتے ہیں، ان کو شریعت کے تابع بنا کر اور اللہ کی رضا جوئی سے جوڑ کر خالص دینی اعمال بنایا جاسکتا ہے، جیسے کھانے پینے اور زیب و آرائش یہاں تک کہ لیٹنے، سونے، نہانے، صاف ستھرا رہنے، ملنے جلنے، آنے جانے، کاروبار کرنے اور دینی و دنیوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کام کاج کرنے کے جو اعمال ہیں ان کو اس لیے کیا جائے کہ یہ اعمال اعمال سنت ہیں، اور انبیاء کے اعمال اللہ کی منشأ اور پسند کے ہوا کرتے ہیں، اور یہ کہ کھانے پینے، پہننے، سونے جاگنے، صاف ستھرا رہنے کو تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر چل کر دکھایا ہے، اور آپ کے طریقہ وطرز حیات کو اللہ تعالیٰ نے سبھوں کے لیے بہترین و کامل نمونہ بنایا ہے، اس جذبہ اور صحیح مقصد اور صحیح نیت وارادہ کے ساتھ حد میں رہتے ہوئے کہ اسراف وغلو نہ ہو، انسان زمین پر رہتے ہوئے آسمان کی سیر کرتا ہے، ایک کانٹا بھی جو اس نے راستے سے ہٹایا، اور اس کے پیش نظر یہ رہا، کہ اللہ کی پسند کا عمل ہے، وہ عمل عرش تک پہونچ جاتا ہے، اور چاہے بڑے سے بڑے اعمال، یہاں تک کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانے کا عمل، اور دریا کو پاٹنے کا عمل ہو، اگر اللہ کی رضا جوئی کے جذبہ اور صحیح دینی روح سے خالی ہے، تو وہ عمل اس کے

کسی کام کا نہیں، بلکہ اس کے لیے وبال بن سکتا ہے، یہاں تک کہ خالص عبادات والے کام، نماز وغیرہ کے اعمال بھی، ریاء ونمود اور سنت کے طریقہ سے ہٹنے اور صحیح جذبہ سے خالی ہونے کی وجہ سے باعث اجر وثواب ہونے کے بجائے وبال بن سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ وقت اور ضرورت کا خیال بھی اہم چیز ہے کہ کس وقت کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے، اور وقت کا تقاضہ کیا ہے، امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ نے حالات اور وقت کی ضرورت اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور امت مسلمہ کو ذلت ورسوائی سے نکالنے کے عمل کو زیادہ ضروری سمجھتے ہوئے اپنے مسترشدین کو جن میں بعض بڑے شیخ طریقت بھی تھے، جیسے حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی (شیخ الشیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) اور حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ (والد ماجد حضرت شاہ احمد سعید مجددی وحضرت شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی) کو عملی تربیت کے کاموں اور جسمانی ورزش کے اعمال میں لگا کر اذکار واوراد کے اعمال میں کمی کرادی تھی، جب یہ حضرات ان کی تربیت گاہ دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی میں مقیم تھے، مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا شاہ عبدالحی بڈھانوی جو خالص دینی فائدے اور ربانیت صادقہ کے حصول کے لیے ساتھ لگے تھے، اور بیعت وارادت کا تعلق قائم کر کے ان سے عمر میں کچھ زیادہ ہونے کے باوجود ان کے بالکل تابع بن گئے تھے وہ اپنے علمی تبحر اور دینی رسوخ رکھنے کے باوجود حضرت سید صاحب قدس سرہ کے حکم ومنشأ کو دیکھتے تھے۔

بعض حضرات جذبہ جہاد کو لے کر حاضر ہوئے اور ان کو خالص دینی تعلیمی وتربیتی کام میں لگنے کے لیے فرمایا، انہوں نے اسی کو اختیار کر لیا، اور پھر ان کی تربیت گاہ سے ایسے لوگ نکلے، جن سے بڑا تعلیمی، تربیتی ودعوتی فیض عام ہوا، جن میں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا نام بھی ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے خاندان کے بزرگوں کے سرپرست ومربی اور ان کے جد مادری ہیں۔

اسی طرح سے حضرت شہید نے حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی کو ایک جگہ بیٹھ کر تعلیم وتربیت کرنے کو کہا، تو ان کے حصہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جیسی شخصیت آئی،

جو بزرگان دیوبند وسہارنپور کے سرپرست اور عظیم مرشد ومربی تھے، خاندان میں حضرت مولانا محمد ظاہر حسنی رائے بریلوی صاحب "خیر المسالک" کو رائے بریلی اپنے وطن میں رہ کر کام کرنے کو کہا، تو ان کے دامن تربیت سے ان کے نواسے حضرت مولانا فخر الدین خیالی اور بھتیجے حضرت شاہ ضیاء النبی حسنی نکلے، جن میں اول الذکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دادا اور ثانی الذکر نانا ہیں، حضرت مولانا کرامت علی جونپوری کو جہاد میں ساتھ لے جانے کے بجائے جس کے جذبہ سے وہ سرشار ہوکر حاضر ہوئے تھے آسام وبنگال بھیجا اور زبردست طریقہ سے ان کے اور ان کے خلفاء کے ذریعہ دین اسلام کی اشاعت ہوئی اور اقلیتی مسلم خطہ اکثریتی مسلم خطہ بن گیا، جس کا ایک حصہ بڑی مسلم آبادی رکھنے والا ملک بنگلہ دیش ہے۔

اس کے علاوہ افغانستان میں ان کے خلیفہ مولانا حبیب اللہ قندھاری ہوئے، اور ان کے خلفاء سے پنجاب میں بڑا دعوتی واصلاحی کام انجام پایا، نیپال کی طرف مولانا سید جعفر علی نقوی کا کام سامنے آیا، وہ بھی حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے، جہاں تک مشائخ دیوبند کا تعلق ہے، تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا دور دور تک فیض پھیلا، اور یہ حضرات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلفاء ہیں، جو ایک واسطے سے حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ تھے، پھر حضرت گنگوہی کے دامن فیض سے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی جیسے نادر روزگار مربی، مصلح ومجاہد تیار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کو غیر معمولی ایمانی فراست اور دینی ودعوتی بصیرت اور اس کا ادراک عطا فرمایا تھا اور وہ اپنی بصیرت وفراست سے یہاں تک ادراک کر لیتے تھے کہ کدھر لوگوں میں سمع وطاعت کی کتنی صلاحیت اور جوہر پایا جاتا ہے، اشخاص کے تعلق سے بھی ان کی بصیرت بہت بڑھی ہوئی تھی اور باکمال مصلح ومربی میں جن صفات وخصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے وہ ان سے متصف تھے، بلکہ وہ امتیازات ان کے اندر محمدانہ

شان کے ساتھ جلوہ گر تھے، حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحی بڈھانوی ان کے قوت بازو اور دست راست اور بڑے محبوب و معتمد تھے اور ان دونوں کا آپ سے ایسا والہانہ تعلق تھا کہ آپ کے اقوال و ملفوظات و ارشادات کو سننے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے اور انہیں فوراً ضبط تحریر میں لے آتے تھے اور اسی سے وہ مفید و قیمتی مجموعہ تیار ہوا، جو ''صراط مستقیم'' کے نام سے عام ہوا، اور اس کے ذریعہ بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی، اور سلوک و سیر الی اللہ کا اس سے خوب فائدہ اٹھایا گیا، اور اللہ کا قرب حاصل کرنے میں اس سے مدد لی گئی، اسی طرح ممتاز مرشدین و مربین نفوس و معلمین اخلاق نے بھی اس سے بہت فائدہ اٹھایا، یہ کتاب اصلا فارسی میں تھی، اس کا اردو میں متعدد لوگوں نے الگ الگ ترجمہ کیا، عربی کا ترجمہ خود حضرت سید صاحب کے حکم سے مولانا عبدالحی بڈھانوی نے بعض عرب حضرات کے لیے سفر حج میں کیا تھا، جو آج بھی ٹونک کی لائبریری میں مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے۔

اردو تراجم میں سلوک راہ نبوت کی فصل کا ترجمہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے قلم سے ان کی کتاب ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' کے پہلے ایڈیشن میں شامل تھا، اور سلوک راہ ولایت کا ترجمہ حضرت شاہ سید نفیس الحسینی لاہوری کے قلم سے ''رسالہ اشغال'' کے نام سے لاہور سے شائع ہوا تھا، اس کے علاوہ بھی حضرت سید صاحب کے بعض خلفاء نے ان کی ہدایات و تعلیمات سلوک پر کتابیں لکھیں، جن میں حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی ''الملهمات الأحمديه'' اور حضرت مولانا محمد ظاہر حسنی کی ''خير المسالک'' کے علاوہ ''مخزن احمدی'' اور ''سوانح احمدی'' اور دوسری کتابوں میں تعلیمات موجود ہیں، ان کے علاوہ ''وقائع سید احمد شہید'' سے بھی استفادہ کرتے ہوئے جو حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کی تعلیمات و واقعات پر سب سے اہم مرجع کے طور پر معروف ہے ایک اہم اور مفید مجموعہ ''راہ سلوک'' کے نام سے عزیزی مولوی سید سبحان ثاقب ندوی سلمہ نے مرتب کیا ہے، جو اپنے علمی شغل کے ساتھ دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں، اس سے پہلے وہ ''وقائع احمدی'' کو تین جلدوں میں اچھے اور جدید انداز میں

مرتب کر کے اہل علم ودین کے حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں، ان کا یہ کام بھی امید ہے کہ ناظرین باتمکین کے یہاں مقبول ہوگا، اور اصل تو اللہ کے یہاں قبولیت ہے، ہم اس کی دل سے دعا کرتے ہیں اور یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اس کی برکات سے یہ متمتع ہوں اور دوسروں کو بھی ان سے فائدہ پہونچے، وماذلک علی اللّٰہ بعزیز

بروز بدھ ۱۳ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ
۲۰ مارچ ۲۰۱۹ء

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی
تکیہ کلاں، رائے بریلی

# حرف آغاز

اللہ رب العزت نے دین اسلام کی سرفرازی اور اس کی حفاظت کا ایک خاص نظام مقرر کر رکھا ہے، اسلام کی تاریخ میں یہ نظام الٰہی ہم کو ہر دور میں کارفرما نظر آتا ہے، دور صحابہ کے بعد جب جب بھی مسلمانوں میں انحطاط شروع ہوا، اور مسلمان عیش وعشرت کے دلدادہ ہوکر اپنے فرائض بھلا بیٹھے، اور ایمانی جذبہ سے خالی ہوتے چلے گئے، تو دنیا کی پستیوں میں گرتے چلے گئے، اور دوسری قوموں کے جبر واستبداد میں پسنے لگے، لیکن اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان میں اپنے نیک بندوں کو بھیج کر ایمان ویقین کی ہوائیں چلاتا رہا، دنیا میں راہ حق سے ہٹ کر جب بھی کوئی دوسری راہ اختیار کی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس فساد وبگاڑ کو ختم کرنے کے لیے اپنے مقبول بندوں کو بھیجتا ہے، اور تائید الٰہی ان کے ساتھ شامل ہوجاتی ہے، ان کے ذریعہ سے فساد مٹتا ہے، خیر وفلاح عام ہوتی ہے، نیکی کا راستہ کھل جاتا ہے، دین اور اہل دین کو تقویت ملتی ہے، شریعت پر عمل آسان ہوجاتا ہے، ایمان افروز ہوائیں چلنے لگتی ہیں، ہر طرف دین کی آبیاری ہوتی ہے، ہدایت عام ہونے لگتی ہے، یہ اس دین کے ساتھ اللہ کا خاص نظام ہے کہ اس نے اس کو باقی رکھنے کا وعدہ کیا ہے، اور ہر صدی میں ایسی شخصیت کو بھیجتا ہے، جو آکر دین میں پیدا ہونے والے فتنوں اور گمراہیوں کا سدّ باب کرتی ہے۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے، " ان اللّٰہ یبعث لھذہ الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا" اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال میں ایک مجدد پیدا کرے گا، جو دین کی تجدید کرے گا، اس تجدید دین کی کڑیاں ہر دور میں ہمیں کبھی امام غزالی،

کبھی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہم اللہ اجمعین کے روپ میں نظر آتی ہے۔

ہندوستان میں دین اسلام کے ہزار سال پورے ہونے پر جب یہاں دین اکبری کا غلغلہ بلند ہوا، اور ایوان حکومت سے اس کی تشہیر ہونے لگی، اس وقت اللہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے اس کا سد باب کر دیا، ان کی مخلصانہ کوششوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں دین اکبری کا گلا گھونٹ دیا، اور اس کے بعد ہندوستان کے تخت پر اورنگ زیب عالمگیر جیسا عالم وقت ولی اللہ ہمیں رونق افروز نظر آتا ہے، جنہوں نے افغانستان سے لے کر برما تک پورے ہندوستان کو متحد کر دیا۔

امام غزالی، امام فخر الدین رازی اور عظیم اسلامی قائد سلطان صلاح الدین ایوبی نے دور انحطاط میں مسلمانوں کو پستی اور احساس کمتری سے نکالا، امیر یوسف ابن تاشفین اور ان کی تحریک مرابطین نے ایک صدی سے زیادہ مسلمانوں کے دلوں کو گرم رکھا، ہر دور میں اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے امت کی رہنمائی کی، اور پھر سے ایمان ویقین کو آبیاری ملی، وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ہوں یا حضرت خواجہ باقی باللہ ہوں یا حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ عبدالعزیز ہوں، یا ان کے بعد آنے والے، وہ سب اسی ایک مقصد کو لے کر چلے کہ اللہ کے بندوں میں ایمان تازہ ہو، زمین پر اللہ کا حکم چلے، شیطان کی پسپائی ہو، ابلیسیت دم توڑ دے، اور اللہ کے بندے سکون سے اللہ کی عبادت واطاعت کر سکیں۔

تیرھویں صدی میں جب اخلاقی انحطاط کی عمومیت، شریعت اسلامی سے روگردانی، ارکان اسلام کی ادائیگی سے اجتناب، سنت مطہرہ سے ابتعاد پیدا ہونے لگا، تو اس وقت مجدد وقت قطب الاقطاب حضرت سید احمد شہیدؒ کے ذریعہ سے تجدید دین کا کام ہوا، ان کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں سے خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی، حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے بریلی کے ایک دیہات سے اٹھے اور قطب وقت سے فیضان حاصل کر کے مخلصین کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی، جن کے اندر خدا کا خوف تھا، اسلام پر مر مٹنے کا جذبہ تھا، خدا

کی زمین پر عدل وانصاف قائم کرنا ان کا مقصد تھا، اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانا ان کا نصب العین تھا، حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے پیروؤں میں اخلاص وللّٰہیت، نظم واتحاد اور سنت مطہرہ کی پیروی کا جو جذبہ پیدا کر دیا تھا، وہ صحیح معنوں میں صحابہ کا نمونہ تھے، ان کو دیکھ کر صحابہ کی زندگیاں یاد آتی تھی، اور صحابہ کے قصوں پر ایمان مضبوط ہو جاتا تھا، وہ سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، دن کے روزہ دار اور رات کے تہجد گذار، متقی و پرہیز گار تھے، ان کے پاس ایمان ویقین تھا، عزم وتوکل تھا، جوش جہاد تھا، احتساب نفس تھا، شوق شہادت تھا، اصلاح و جہاد کی تحریکوں میں اس سے زیادہ منظم ومرتب کوئی تحریک ہندوستان میں اس سے پہلے رونما نہیں ہوئی تھی، اور جتنی تحریکیں اس کے بعد برپا ہوئیں، وہ سب کسی نہ کسی واسطے سے ان سے جڑی ہوئی ہیں، اور اس تحریک نے بالآخر ہندوستان کی آزادی تک کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں کو گرمائے رکھا۔

اس جماعت کے لوگوں نے مختلف طریقوں سے ہندوستان میں اسلام کے درخت کو تر وتازہ کر دیا، اس تحریک کے پاسبان اپنی مسلسل جانفشانیوں، دن ورات کی کوششوں، کمال عزیمت، ہمت واستقلال سے دین اسلام کی خدمت میں لگے رہے، ان کی جانیں احیاء اسلام کے خاطر وقف تھیں، ان کی آرزوئیں اور تمنائیں صرف دین کے گرد گھومتی تھیں، انہوں نے فانی زندگیوں کی خوشیوں سے منہ موڑ کر رب کی رضا کی خاطر در در کی ٹھوکریں کھانا گوارا کر لیا، گھر سے بے گھر ہو گئے، وطن مالوف سے ہجرت کر کے ہزاروں کوس دور خطرناک راستوں، چٹیل میدانوں، بلند وبالا کہساروں میں زندگی کے ایام گذارتے رہے، ان کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ تھا، وہ گمنام بستیوں سے اٹھے تھے، لیکن عالم اسلام کے افق پر درخشاں ستارے بن کر چمکتے رہے، اپنی زندگیوں کے چراغ بجھا کر اسلام کے چراغ کو روشنی دیتے رہے، جن کے عزم واستقلال نے باطل طاقتوں کے غرور کو خاک میں ملایا، اور کفر کو اس کے قلعہ میں لرزہ براندام کر دیا۔

ان کی تحریک جہاد بالاکوٹ کے سانحہ کے بعد وقتی طور پر تو پس پردہ چلی گئی، لیکن اس جماعت کے افراد کا روحانی وتربیتی نظام ساری دنیا میں پھیلتا چلا گیا، اور اس کے اثرات بہت دور تک اور بڑے زمانے تک محسوس کئے جاتے رہے، اور اس کے بچے کھچے افراد اس کے لیے کوششیں کر کے عالمی افق پر نئے نئے انداز میں نمودار ہوتے رہے، کبھی تحریک مزاحمت کی شکل میں، کبھی دعوت دین کی شکل میں، کبھی احیائے سنت کی کوششوں کی شکل میں، کبھی مدارس کو فروغ دے کر دین کو مضبوط کرنے کی شکل میں، اقبال کی زبان میں

ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات

اور اس وقت بھی اس گئے گذرے دور میں عالمی افق پر ایسی ہی ایمانی تحریکیں روشنی کی کرن بن کر نمودار ہوتی رہی ہیں، یہ بات اور ہے کہ وہ اپنی کوششوں میں کس حد تک کامیاب ہیں، اور ان کے لیے زندگی کی مدت طویل ہوتی ہے یا نہیں، لیکن وہ لوگ اپنی کوششوں میں کامیاب ہی رہیں گے اس لیے کہ حیات سرمدی ان کا مقدر ہے، اور اللہ کی رضا ان کا نصب العین ہے، اللہ کے یہاں ان کی شکست وناکامی پر ان کے لیے عتاب نہ ہوگا، اس لیے کہ وہاں کوششیں دیکھی جاتی ہیں، وہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ صدق واخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال کیا یا نہیں، اگر تقدیر الٰہی سے وہ لوگ اپنے اس دنیاوی مشن میں کامیاب ہونے کے بجائے اپنے رب کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دنیا میں شہادت سے سرفراز ہوتے ہیں تو دنیا میں بھی اور اپنے رب کے یہاں بھی سرخرو رہیں گے۔

انقلاب کبھی پہلے مرحلہ میں نہیں آتا، کچھ لوگ انقلاب لانا چاہتے ہیں لیکن ان کی اسکیم قبل از وقت افشاء ہوجاتی ہے، اور وہ پکڑے اور مارے جاتے ہیں، پہلی ناکامی کے بعد دوبارہ ایک جماعت انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھتی ہے لیکن وہ بھی ناکام ہوجاتی ہے، اس کے بعد پھر ایک اور جماعت سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں نکلتی ہے اور کامیاب ہوجاتی ہے، انقلاب ہمیشہ تیسرے یا چوتھے مرحلہ میں کامیاب ہوتا ہے، بظاہر یہ تحریک معرکہ بالاکوٹ میں ختم ہوگئی لیکن چند سال بعد سرفروش مجاہدین معرکہ امبیلا میں انگریزوں سے برسر

پیکار نظر آتے ہیں، اور بعد کے واقعات مختلف امراء مجاہدین کی سرکردگی میں اس کے گواہ ہیں کہ سید صاحب کی تحریک ناکام نہیں رہی، بلکہ شہیدوں کا لہو قوموں کی زندگی میں نئی لہر دوڑاتا ہے، اور شہداء زندہ جاوید ہوتے ہیں۔

حضرت امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد تحریک جہاد کے کارفرماؤں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ دوبارہ ایک بڑی جماعت تیار کر کے آزاد علاقے میں بھیجی جائے، جس سے سید صاحب کے شروع کیے ہوئے کام میں جوش وخروش کی نئی روح پیدا ہو جائے، اس فرض کی بجا آوری کا شرف روز اوّل سے مولانا سید نصیر الدین دہلوی کے لیے مقدر ہو چکا تھا، انہوں نے سید صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کیا، دعوت جہاد سے ایک جماعت تیار کی، اور حضرت امیر المؤمنین کی طرح وطن مالوف سے ہجرت کر کے کاروبار جہاد کی تجدید کا انتظام فرمایا، حضرت مولانا نصیر الدین دہلوی کی ۱۲۵۶ھ میں وفات کے بعد سید عبد الرحیم سورتی، مولانا ولایت علی صادقپوری، مولانا عنایت علی غازی اور مولانا عبد اللہ نے جماعت مجاہدین کی امارت کے فرائض انجام دیئے، یہ سب حضرت سید احمد شہیدؒ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

اس تحریک جہاد کے اثرات ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی میں بھی جاری وساری تھے، تحریک جہاد کی دبی چنگاریوں نے انگریز کے خرمن اقتدار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ۱۸۵۷ء کے ہیرو جرنیل بخت خاں، مولانا سرفراز علی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت حافظ ضامن شہید، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ بالواسطہ اور بلاواسطہ حضرت سید احمد شہیدؒ سے ہی تعلق وعقیدت رکھتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سیرت سید احمد شہید'' کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ ''ان بلاد مشرقیہ میں تیرہویں صدی میں اگر کوئی ہستی مجددیت کا مظہر ہو سکتی ہے تو یقیناً وہ ''حضرت امام الأئمۃ مرشد الأمۃ محی السنہ قطب العالم حضرت مولانا سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ'' کی عدیم النظیر ہستی ہے، جس نے جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں کو ان

دیار سے نیست ونابود کردیا، اور اہل بدعت وفساد کی رسوم قبیحہ کو اکھاڑ کر پھینک دیا، علوم ومعارف وحقائق سے دنیا کی فضا کو منور کردیا، اور عملی سرگرمیوں اور اخلاص وللّٰہیت کی مساعی سے نفوس انسانیہ کو زندہ کردیا، مسلمانوں میں جو سیاسی نظام ہونا ضروری اور مفید ہے اس کی بنیادیں استوار کردیں، اور وہ حقیقی خدمات ملت بیضاء کی سیاسیات وغیرہ میں انجام دیں، جن کی نظیر سلف میں بھی کم پائی جاتی ہے"۔

☆ حضرت سید احمد شہید کا طریقہ تربیت واصلاح ان کے زمانہ میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول تھا، اور جناب رسول اللہ ﷺ کی خوشی ان دیار مشرقیہ میں اسی میں منحصر تھی، چنانچہ حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ تھے، اور آپ کے ہزاروں مرید تھے فرماتے تھے کہ "مجھے سلوک میں کسی سے رجوع کی ضرورت نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی خوشی اسی میں پاتا ہوں کہ میں سید صاحب سے بیعت ہوجاؤں"۔

☆ ان کی دوسری خصوصیت علماء ومشائخ میں غیر معمولی مقبولیت ہے، چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ یا سلسلہ ایسا نہیں ہے جس کے اکابر نے سید صاحب کے سامنے سر عقیدت نہ جھکایا ہو، اور آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، آپ کی محبت اہل سنت وصحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی۔

☆ تیسری خصوصیت آپ کی عجیب وغریب تاثیر اور انوار وبرکات ہیں، حضرت کی ایک نگاہ کیمیاء اثر بڑے بڑے فاسقوں اور گناہ گاروں کو توبہ پر آمادہ کردیتی تھی اور ان کی ایک صحبت و ملاقات میں اندرونی کیفیت متغیر ہوجاتی تھی۔

چنانچہ حضرت مولانا میاں حسین صاحب (خلیفہ حضرت سید احمد شہید) فرماتے تھے، جس نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی وہ ولی ہے، اور جو ان کی صحبت میں رہا، اس کا درجہ کسی طرح افراد وابدال سے کم نہیں ہے، حضرت کا ایسا تصرف تھا کہ جس نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی اسی وقت اس کو فنا فی الوجود کا مرتبہ حاصل ہوجاتا تھا، اور کچھ دن کے بعد فنا فی الشیخ ہوجاتا تھا۔

☆ چوتھی خصوصیت آپ کے اندر اتباع سنت کا جذبہ اکمل طریقہ سے تھا، اور آپ کی ساری زندگی سنت نبوی کا پرتو تھی، اور آپ کے سارے متبعین میں اور ان کے راستے پر چلنے والوں میں اتباع سنت کا پہلو غالب تھا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری فرماتے تھے

''شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی سے جو لوگ ان کے سید صاحب سے بیعت ہونے کے بعد بیعت ہوئے، ان کی حالت نہایت اچھی تھی اور ان پر اتباع سنت نہایت غالب تھا، اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے تھے ان کی حالت اس درجہ کی نہ تھی۔

☆ آپ کی پانچویں خصوصیت کہ آپ نے طریقہ کو تمام بدعات سے پاک کیا اور ضروریات زمانہ اور طبائع کے مطابق اس میں اصلاح وترمیم فرمائی۔

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:۔

سب مشائخ طیبہ امت ہیں، اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے اعتبار سے طرق انہوں نے رکھے ہیں، سب کا مآل ایک ہے، اور سب کا خلاصہ اتباع سنت ہے، بعد کے لوگوں نے بدعتیں داخل کردی تھیں، ان کے مجدد حضرت سید احمد شہید ہوئے، جس سے جس کو عقیدت ہو، اس کے طریقہ میں وہ داخل ہوجائے، فائدہ ہوگا۔ مجھ کو حضرت سید صاحب کے ساتھ محبت وعقیدت اعلیٰ درجہ کی ہے، میں یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے پیر شاہ عبدالعزیز صاحب سے بڑھ کر ہیں، باقی خدا جانیں، کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے، میں اپنے قلب کا مختار نہیں ہوں، یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے، پھر میں کہتا ہوں اللہ تو ہی جانے، میں مجبور ہوں، شاہ صاحب کے پہلے سے اس خاندان میں اتباع سنت تھا، مگر حضرت نے نہایت درجہ کو اتباع کیا، ہندوستان میں نور پھیلا دیا، علماء کہتے ہیں کہ وہی کتابیں پہلے تھیں، وہی اب بھی ہیں، لیکن اب خدا جانے کیا بات ہوگئی ہے، جو ان کی صحبت میں ایک گھڑی بیٹھا اس میں وہی رنگ آ گیا، جس میں زیادہ اتباع ہو وہی ولی کامل ہے۔

سید صاحب کے مریدوں میں ان کا رنگ ایسا جم جاتا تھا کہ کسی طرح اس میں تغیر

نہیں آتا تھا، بلا کی تاثیر تھی، ایک مرتبہ جس نے ان کی صحبت حاصل کرلی، وہ پھر انہی کا دم بھرنے لگتا تھا، مرد تو مرد عورتیں تک جنہوں نے سوائے ایک بار کے کبھی ان کی زیارت نہیں کی، وہ ایسی پختہ ہوجاتی تھی کہ پھر کسی طرح اپنے خیالات سے نہیں ٹلتی تھیں۔

مولانا ذوالفقار علی صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب دورہ دوآبہ میں اکثر قصبات میں تشریف لے گئے ہیں، لیکن جہاں جہاں تشریف لے گئے ہیں وہاں اب تک خیر و برکت ہے اور دو ایک گاؤں اور قصبے ایسے ہیں جہاں نہیں گئے، وہاں اب تک وہی نحوست اور شامت باقی ہے، چنانچہ منگلورہ میں نہیں گئے وہاں کے لوگوں میں وہی جہالت اور قساوت ہے، اور ایک مختصر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کے دو چار گھر ہیں، اتفاقاً سید صاحب کسی ضرورت سے وہاں بھی گئے ہیں، وہاں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے گویا ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر گئے ادھر وہ پھیل گیا۔

حضرت سید صاحب کے بیعت کرانے کا انداز اس طرح تھا کہ وہ خطبہ پڑھتے تھے اور اس کے بعد توبہ کراتے تھے اور چاروں خانوادوں کا نام لیتے تھے، آپ کا دستور تھا کہ بآواز بلند طریقہ چشتیہ، قادریہ، نقش بندیہ و مجددیہ میں بیعت لے کر پھر طریقہ محمدیہ میں بیعت لیتے تھے۔

ایک مرتبہ دوران سفر رامپور میں حکیم عطاء اللہ خاں نے سید صاحب سے پوچھا کہ آپ اوّل چاروں طرق سلوک میں بیعت لے کر پھر طریقہ محمدیہ میں بیعت لیتے ہیں، اس میں کیا بھید ہے؟ اگر یہ سب طرقِ سلوک طریقہ محمدیہ سے ہیں تو پھر دوبارہ طریقہ محمدیہ میں بیعت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا

> ''اس میں بھید یہ ہے کہ طریقۂ چشتیہ اور قادریہ کے اشغال ہم اس طرح بتایا کرتے ہیں کہ ذکر جہر اس طرح سے کرو اور ضرب یوں لگاؤ، اور نقش بندیہ اور مجددیہ کے شغل و اشغال میں بتایا جاتا ہے کہ ذکر خفی اس

طرح پر کرو، یہ لطیفہ قلب ہے اور یہ لطیفہ روح ہے، اور ان طریقوں کی نسبت رسول خدا ﷺ سے بطور باطن کے ہے نہ بطور ظاہر کے۔

اور طریقہ محمدیہ کو ہم اس طرح پر سکھاتے ہیں کہ نکاح اس نیت سے کرو کہ بہ سبب اس نکاح کے فسق و فجور سے محفوظ رہوں گا، اور اس نکاح سے اولاد صالح پیدا ہوگی، علم سیکھے گی اور لوگوں کو سکھائے گی، نیک عمل کرے گی، اور میرے واسطے میرے مرنے کے بعد دعا کیا کرے گی، اور کھیتی و تجارت اور نوکری وغیرہ اس نیت سے کرو کہ اس سے روزی حلال کما کر بیوی بچوں کا نفقہ ادا کروں گا، میں خود حلال روزی کھاؤں گا، حرام خوری سے بچوں گا، اس نیت سے اس کا چلنا پھرنا اور سفر کرنا سب عبادت ہو جاتا ہے، اور جب رات کو سوؤ تو یہ نیت کرو کہ سویرے اس واسطے سوتا ہوں کہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھوں گا، اور نماز صبح اول وقت جماعت سے ادا کروں گا، بیوی سے خلوت اس نیت سے کرو کہ اس کا حق ادا ہو، کپڑے اس نیت سے پہنو کہ ستر ڈھکے، اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا ہو، کھانا اس نیت سے کھاؤ کہ اس سے بدن میں طاقت آئے گی، تو نماز پڑھوں گا اور سفر حج اور جہاد کروں گا اور کھیتی اور نوکری وغیرہ کر کے نفقات واجب ادا کروں گا، اور علم اس نیت سے حاصل کرو کہ اس سے احکامات الٰہی اور فرض وغیرہ معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کروں گا، لوگوں کو سکھاؤں گا، پیر کا مرید اس واسطے ہو کہ ان سے اللہ کی راہ سیکھوں گا، وعلی ہذا القیاس۔ اور نسبت اس طریقہ محمدیہ کی رسول اللہ ﷺ سے بطور ظاہر شریعت کے ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چار مشہور طرق طریقت میں آپ کا اول بیعت لینا اور توجہ دینا محض حکمت کے طور پر لوگوں کے رجوع کرانے کے لیے تھا ورنہ آپ کی اصل تعلیم اور

دعوت تو طریقہ محمدیہ کی تھی۔

دہلی میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے کہہ دیا تھا کہ جس کو جو کچھ حاصل کرنا ہو وہ ان سے حاصل کرے، میرے پاس جو نعمت تھی وہ انہوں نے لے لی۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنے مرید و مسترشد حضرت امیر المؤمنین سید احمد شہیدؒ کے بارے میں اپنے ایک ساتھی منشی نعیم کو ایک خط میں تحریر فرمایا۔

''اس امت میں چالیس ابدال ہر وقت رہتے ہیں، جن کے صدقے میں اہل زمین پر بارش برستی ہے، اور انہیں رزق ملتا ہے، اور انہی کے صدقہ میں نصرت حاصل ہوتی ہے، چہ عجب کہ سید احمد کو بھی ایسا ہی رتبہ مل گیا ہو، اس لیے ان کے مقام کا انکار نہیں کرنا چاہئے''۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ مجھ کو حضرت سید احمد شہید سے دو طریق سے نسبت حاصل ہے، میرے دادا پیر میاں جی نور محمد جھنجھانوی ان کے مرید تھے، اور ان کے پیر حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی بھی حضرت کے مرید تھے۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے۔

''جب مجھ کو حضرتؒ سے بیعت نہ تھی، اور اپنے مشائخ کے طور و طریق پر تھا، چلہ کشی کرتا تھا، جو کی روٹی کھاتا تھا اور موٹے کپڑے پہنتا تھا، اور صدہا مرید میرے تھے اور جو کوئی طالب درویشی کا میرے پاس آتا اس کو تعلیم کرتا تھا، اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، اور جو کوئی اپنے مطلب کے لئے دو چار کوس یا ایک دو منزل لے جانے کی درخواست کرتا تو للہ فی اللہ چلا جاتا تھا، اور میری نسبت کا یہ طور تھا اگر دو کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا تو اسی جگہ اس کو حال آتا، اور کچھ باتیں مجھ میں اس سے بھی بڑھ کر تھیں، میں اپنے اس حال میں بہت خوش تھا، اور میرے مریدوں میں بھی بعض بعض صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں

کے جب اللہ تعالیٰ نے ان سید صاحب کو سہارنپور میں پہونچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور ان کا طریقہ دیکھا، اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میری موت بری ہوتی، پھر میں نے اپنے سب مریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو تو اب دوبارہ ان سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلو، اور جو نہ کرے گا وہ جانے، میں نے آگاہ کردیا ہے اس کا مواخذہ روز قیامت کے مجھ سے نہیں۔ پھر سب نے دوبارہ حضرت سے بیعت کی، سو میں نے تمام اس عیش و آرام اور ناموس و نام کو ترک کر کے سید صاحب کے یہاں کی محنت و مشقت اور تنگی و کلفت اختیار کی، اینٹیں بھی بناتا ہوں، دیوار بھی اٹھاتا ہوں، گھاس بھی چھیلتا ہوں، لکڑی چیرتا ہوں اور ہر طرح کے کام کرتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو اس کاروبار کی بدولت مجھ کو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی اس کے دسویں حصہ کے برابر اس اوّل معاملات کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کرتا''۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ''صراط مستقیم'' کے خاتمہ میں اپنے پیر و مرشد امیر المؤمنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حصول نسبت نبوت اور تحصیل سلوک ولایت پر عارفانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

''پس جاننا چاہئے کہ حضرت ایشان (سید احمد شہید) کی جبلت ابتدائے فطرت ہی سے کمالات طریق نبوت پر اجمالاً مائل تھی، اس طریق کے آثار یعنی وجدانی طور پر مناجات کی لذت پانا، بالخصوص نماز میں اور شرع شریف کی تعظیم، اتباع سنت کی نہایت درجہ رغبت، آلودگی

بدعت سے کمال نفرت، طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی وسیئات سے جبلی کراہت بچپن سے آپ پر ظاہر و باہر تھی، القصہ طہارت جبلیہ کے آثار آپ کی طبیعت کی تہہ میں ظاہر اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبین مبارک پر ہویدا تھے، حتی کہ سعادتوں کے خزائن کی کلید کہ جس کی مدد سے ہر دو طریق یعنی طریق نبوت اور طریق ولایت کے بند دروازے کھل جائیں، آپ کے ہاتھ آ گئی، یعنی آپ جناب ہدایت مآب، قدوۂ ارباب صدق وصفا، زبدۂ اصحاب فنا و بقا، سید العلماء، سند الأ ولیاء، حجۃ اللہ علی العالمین، وارث الأ نبیاء والمرسلین، مرجع ہر ذلیل وعزیز، مولانا ومرشدنا الشیخ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں پہونچے، آپ کو ان کے حضور طریقہ نقش بندیہ میں بیعت کا شرف حاصل ہوا، حصول بیعت کی برکت اور آں جناب کی توجہات سے آپ پر نہایت عجیب ونادر معاملات ظاہر ہوئے، انہیں وقائع عجیبہ کے سبب کمالات طریق نبوت جو ابتدائے فطرت ہی سے اجمالی طور پر مندرج تھے، تفصیل وشرح کے ساتھ انجام پائے، اور مقامات طریق ولایت نہایت اچھی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالحی حسنی فرماتے تھے کہ حضرت امیر المؤمنین سید احمد شہید کے طریقہ میں ان کے منتسبین کے ذریعہ سے جتنی جلدی اور آسانی کے ساتھ قربت خداوندی حاصل ہوتی ہے، وہ اور طریقوں میں مفقود ہے، آپ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکیم سید فخر الدین والد ماجد کی توجہ سے جو مدارج گھنٹوں میں حاصل ہوئے وہ اور طریقوں کے مطابق برسوں میں نہ حاصل ہوئے، بات یہ ہے کہ حضرت سید صاحب کو درگاہ خداوندی سے مجددیت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اسکا منشاء یہی تھا کہ اس متمدن زمانہ کے کثیر الاشغال وضعیف البنیان نفوس کے لیے سلوک راہ عبودیت کو آسان بنا دیا جائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سیرت سید احمد شہید میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ تصوف وسلوک میں سید صاحب کے مرتبہ کا اندازہ اور آپ کے اجتہاد وتجدید کے مقام کا علم صراط مستقیم کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، جن لوگوں کو اس کتاب سے براہ راست استفادہ کا موقع نہیں مل سکا، ان کے لیے ''صراط مستقیم'' کے دو اہم باب سلوک راہ نبوت اور

سلوک راہ ولایت کا ترجمہ پیش کررہے ہیں، اس میں سے ایک باب سلوک راہ نبوت کا ترجمہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود کیا ہے، اور یہ باب سیرت سید احمد شہید کے پہلے ایڈیشن کی زینت بنا تھا، بعد کے ایڈیشنوں میں اس کو حذف کردیا گیا، اور دوسرا باب سلوک راہ ولایت کا ترجمہ مولوی ارشد ندوی کا ہے، جو صراط مستقیم کے ترجمہ کا کام کررہے ہیں، ان کی اجازت سے اس باب کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

آخر میں ہم ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں، جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں ساتھ دیا، اور یہ کام سہولت وآسانی سے پورا ہوا، اللہ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین

سید سبحان ثاقب

ندوۃ العلماء لکھنو

# خلاصہ راہ سلوک

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ دعوت وعزیمت میں لکھتے ہیں:۔

اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ذوق ومعرفت ایمان حقیقی اور یقین اخلاص و استقامت، تزکیہ باطن اور تہذیب اخلاق، کامل اتباع سنت اور فنافی الشریعت وہ حقیقی مقاصد ہیں جن کے لیے مختلف وسائل اختیار کئے جاتے ہیں، محققین ان مقاصد کے حصول کو کسی ایک وسیلہ میں منحصر نہیں مانتے، بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے (اور کچھ غلط نہیں کہا)'' طرق الوصول الی اللّٰہ بعدد أنفاس الخلائق'' ابتداء میں ان مقاصد کے حصول کے لیے سب سے مؤثر اور طاقتور ذریعہ صحبت نبوی ﷺ تھی، جس کی کیمیاء اثری عالم آشکارا ہے، اس نعمت سے محرومی کے بعد اطباء امت اور خلفائے نبوت نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف بدل تجویز کئے، آخر میں مختلف اسباب کی بناء پر صحبت اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا، جس کا ایک منقح اور مدون طریقہ ونظام ہے، جو تصوف وسلوک کے نام سے مشہور ہو گیا ہے، لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں، کہ ان مقاصد کا حصول ان وسائل پر منحصر نہیں، اجتباء وموہبت کے علاوہ ایمان واحتساب، محاسبہ نفس، سنتوں کا تتبع، کتب حدیث وشمائل سے محبت وعظمت کے ساتھ اشتغال، کثرت نوافل ودعا، کثرت درود، نیت واحتساب کے ساتھ خدمت خلق، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت وتبلیغ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی استحضار واہتمام کے ساتھ تقرب کا ذریعہ اور حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے، وسائل مختلف ہو سکتے ہیں لیکن مقصود ایک ہے (تاریخ دعوت وعزیمت، ج ۲۔ص۔۱۶۱)۔

## بیعت کے مقاصد

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک دعوتی سفر کے دوران بیعت کے مقاصد اس طرح بیان فرمائے۔

فرمایا: اکثر عوام بلکہ بعض خواص جو کہ نام کو عالم اور درویش کہلاتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ جہاں کہیں ہم نے کسی بزرگ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لی، پھر ہم کو کوئی بڑا چھوٹا نقصان نہ کرے گا، ہمارے پیر صاحب ہم کو اللہ تعالیٰ سے بخشوالیں گے اور بہشت میں لے جائیں گے، سو یہ محض ان کا خیال خام اور وہم غلط ہے، پیر صاحب خود اپنے ہی مآل کار سے بے خبر ہیں، کچھ نہیں جانتے کہ وہاں روز قیامت ہمارا کیا حال ہوگا، اور وہاں کا تو حال دریافت کرنا محال ہے، یہاں دنیا میں جن کاموں کے دن رات خوگر ہو رہے ہیں ان کا حال نہیں جانتے ہیں، چنانچہ بھوک، پیاس، سونا، جاگنا، جائے ضرور، پیشاب وغیرہ۔ خود میں اپنا حال کہتا ہوں کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ کس وقت مجھ کو پیاس لگے گی یا کب نیند غلبہ کرے گی، یا کس وقت جائے ضرور یا پیشاب کی حاجت ہوگی، یوں ہی اور بہت کام ہیں، جب ان ادنیٰ باتوں کو بالیقین ہم نہیں جانتے ہیں تو اور بڑے بڑے کاموں سے ہم کو کیا خبر؟ اور یہاں ہم کسی کی مصیبت دور نہیں کر سکتے، وہاں کب کسی کی مصیبت دور کر سکیں گے، مگر ہاں پیر صاحب جو طریقہ خدا و رسول کے حکم کے موافق بتادے، مرید کو لازم ہے کہ ان کو نہ چھوڑے اسی پر چلا جائے، وہی اس کی نجات کا وسیلہ اور اس کے بغیر یہ سب کچھ نفس کا فریب اور شیطان کا مکر ہے، خدا کے مخالف کو نہ کوئی پیر بخشا سکے گا نہ کوئی پیغمبر، جن صاحبوں نے میرے

ہاتھ پر بیعت کی، ان کو تم سمجھا دو کہ جو کام خلاف حکم خدا اور رسول کے ہیں سب کو ترک کرو، تب اس بیعت کرنے سے تم کو فائدہ ہوگا ورنہ محض بے حاصل ہے نہ میں ان کا پیر ہوں نہ وہ میرے مرید ہیں"۔

## بیعت کی حقیقت

ایک بار حضرت کے معتمد جناب ارباب بہرام خاں صاحب نے حضرت سید صاحب کے لشکر کے نظام الدین اولیاء سے کہا: میں نے لشکر میں بعض بھائیوں سے سُنا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرے گا، وہ آخرت میں ہر ایک بلا سے محفوظ رہے گا، انہوں نے کہا: ہاں! ہم نے بھی یہی سُنا ہے، مگر آج جائے قیام پر تمہارے روبرو پھر حضرت سے پوچھ لیں گے۔

وہ دونوں کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت امیر المومنین کے پاس گئے، نظام الدین اولیاء نے حضرت سے کہا: ایک بات پوچھنی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جو کوئی میرے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ آخرت میں نجات پائے گا۔ آپ نے فرمایا: ہاں سچ ہے، بلکہ جو کوئی تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اس کا بھی یہی حال ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ، اس لیے کہ بیعت کرنا (درحقیقت) اگلے پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کا نام ہے، جب ایک شخص نے اخلاص دل کے ساتھ گناہوں سے توبہ کی، اور پھر آئندہ کو گناہ کرنے سے باز رہا، تو بیشک وہ بیعت اس کی مغفرت کے واسطے کافی ہوگی، مگر جو تم پوچھتے ہو، شاید تم کو یہ شک ہوا ہے کہ درّانیوں اور افغانوں وغیرہ نے بارہا توبہ اور بیعت کی ہے، ان کو کیوں کر کافی نہ ہوگی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ بیعت میں توبہ سچے دل سے قبول ہوتی ہے اور ان کی توبہ دلی نہ تھی اس لئے وہ توبہ کافی نہ ہوگی۔ انتہیٰ۔

## بیعت کی شرعی حیثیت

اسلام لانے کے بعد بیعت کرنا سنت ہے، نبی کریم ﷺ سے چار طرح کی بیعت کا ثبوت قرآن وحدیث میں ملتا ہے، صحابہ سے کئی موقعوں پر مختلف اقسام بیعت کا

پتہ چلتا ہے، جیسے بیعت توبہ، بیعت جہاد، بیعت علی الموت، بیعت صفہ، بیعت رضوان۔

بیعت کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے، یہ منصوص ومتوارث عمل امت میں شروع ہی سے چلا آرہا ہے، آپ ﷺ سے صحابہ نے بیعت کی، اس کا ذکر اس طرح قرآن میں ہے

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً﴾

جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، تو وہ واقعتاً اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پھر بیعت کے بعد جو شخص عہد کو توڑے گا، تو اس نقض عہد کا وبال اسی پر پڑے گا، اور جو شخص ان عہد شدہ باتوں کو پورا کرے گا، جن پر اللہ سے عہد و پیمان کیا ہے تو عنقریب اللہ اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

ایک دوسری آیت میں مزید وضاحت اور بیعت کے الفاظ کا بھی ذکر ہے اور بیعت کا مروجہ طریقہ وانداز اور الفاظ اسی آیت سے ماخوذ ہیں، اللہ فرماتا ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئاً وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں ان باتوں پر آپ سے بیعت کرنے کو آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، اپنی اولاد نہ مار ڈالیں گی، اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں، اور کسی امر شرعی میں آپ کی حکم عدولی نہ کریں گی، تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں، اور ان کے لیے خدا سے بخشش اور مغفرت طلب کیا

کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بخش دینے اور معاف کر دینے والا ہے۔
اسی طرح حضرت عبادہؓ بن صامت کی حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ وحولہ عصابة من أصحابه "بایعونی علی أن لا تشرکوا باللّٰہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا أولادکم ولا تأتون ببهتان تفترونه بین أیدیکم وأرجلکم، ولاتعصون فی معروف فمن وفی منکم فأجره علی اللّٰہ ومن أصاب من ذلک شیئا ثم ستره اللّٰہ علیه، فهو الی اللّٰہ ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه" فبایعناه علی ذلک .

بیعت کے اثبات اور وضاحت و مشروعیت میں یہ ایک واضح دلیل ہے اور خود زبان حق ترجمان سے اور عمل و کردار سے آپ ﷺ نے اس کو امت میں شائع فرمایا، اور اس کی عملی شکل سے امت کو روشناس کرایا، اور عہد نبوی سے لے کر اب تک مختلف طریقوں سے یہ مبارک عمل امت میں جاری و ساری ہے۔ (تصوف یا تقشف)

بیعت کے بارے میں بیہقی کی ایک روایت میں آتا ہے، حضرت عوفؓ بن مالک الاشجعی فرماتے ہیں۔

"کنا عند رسول اللّٰہ ﷺ تسعة أو ثمانیة، فقال: ألا تبایعون رسول اللّٰہ ﷺ ، فرددها ثلاث مرّات، فقدمنا أیدینا فبایعناه، فقلنا یارسول اللّٰہ، قد بایعناک فعلی ما بایعناک،قال: أن تعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا به شیئاً، والصلوات الخمس و تطیعوا،

وأسرّ كلمة خفية، لاتسألوا الناس شيئاً، قال: فلقد رأيت بعض أولئک النفريسقط سوطه فلا يسأل أحدا يناوله. (شعب الايمان، فصل فی الاستعفاف عن الناس، رقم الحديث ٣٢٤٣)

ترجمہ: ہم لوگ آٹھ یا نو کی تعداد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے، آپ نے تین بار اس بات کو دہرایا، ہم لوگوں نے بیعت کے لیے اپنے ہاتھ بڑھائے، اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ہم آپ سے بیعت کر چکے ہیں، پھر کس چیز کی بیعت کریں، فرمایا، اس کی بیعت کرو، اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، پانچ وقت کی نماز اور اطاعت کرو گے، اور ایک جملہ آہستہ سے فرمایا کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرو گے، راوی کہتے ہیں، میں نے ان لوگوں میں سے بعض کو دیکھا کہ ان کا کوڑا گر جاتا تھا تو وہ کسی سے اس کے اٹھانے کے لیے کہتے نہیں تھے، اسی طرح حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

" من يتقبل لی بواحدة أتقبل له بالجنة" قال قلت،: أنا،قال : "لاتسأل الناس شيئا"فكان ثوبان يقع سوطه وهو راكب، فلايقول لأحد، ناولنيه حتى ينزل فيتناوله ، (مسند احمد، ٢٣٠٤٨)

مجھ سے کون ایک چیز کا وعدہ کرتا ہے، میں اس سے جنت کا وعدہ کرتا ہوں، حضرت ثوبان فرماتے ہیں میں نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا، حضرت ثوبانؓ کا کوڑا کبھی حالت سواری میں گر جاتا تھا تو وہ کسی سے اس کو اٹھانے کے لیے نہیں کہتے تھے، وہ خود اتر کر اس کو اٹھاتے تھے۔

## بیعت رضوان

۶ ہجری میں اللہ کے رسول ﷺ عمرے کی نیت سے نکلے، لیکن قریش نے راستہ میں روک لیا، حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان سفارت چلی، مسلمانوں کی طرف سے حضرت عثمان کو سفیر بنا کر بھیجا گیا، وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی حمایت میں مکہ گئے، اور آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا، قریش نے ان کو نظر بند کر دیا، لیکن یہ خبر عام ہوگئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے، آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے، یہ فرما کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی، تمام چودہ سو صحابہ نے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا، اس کا نام بیعت رضوان رکھا گیا، سورہ فتح میں اس واقعہ اور اس درخت کا ذکر ہے

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً﴾ (الفتح، ۱۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا، جب کہ درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو تھا اس نے اسے معلوم کر لیا، اور ان پر سکینت نازل فرمائی، اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی) بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر صحیح نہ تھی، اور حضرت عثمانؓ چھوڑ دیئے گئے۔ (سیرت النبی، ج۔۱، ص۔۲۵۸)

امام بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جریرؓ سے بیعت کیا اور عہد لیا کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں، انصار کی ایک جماعت سے اس بات پر بیعت لی کہ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت وطعن وتشنیع کی پرواہ نہیں کریں گے، بیعت کی مشروعیت کی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ تمام سلاسل عظام کے مشائخ کا سلسلہ واسطہ در واسطہ رسول اللہ ﷺ تک پہونچتا ہے، اور چوں کہ ایک صاحب سلسلہ اور صاحب نسبت شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس کی بزرگی اور مقبولیت عنداللہ کی وجہ سے

اس کے لیے راہ سلوک میں ترقی کے راستے جلد کھلتے ہیں، اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک وطریق ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے اپنے رسالہ میں ایک بیعت وسیلہ کا ذکر کیا ہے، یعنی صوفیہ کے مشہور طرق وسلاسل کے ائمہ اور پیشوا بطور احسان کے حق تعالیٰ کی طرف سے بعض بشارتوں اور وعدوں سے سرفراز ہیں، بعض لوگوں میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے، کہ کاش ان بشارتوں اور وعدوں سے استفادہ کا موقع ان کو بھی ملتا، پھر ان ہی طرق وسلاسل کے جن مشائخ تک وہ پہونچ سکتے ہیں ان کو ان گذرے ہوئے بزرگوں کا نائب اور نمائندہ خیال کر کے ان سے بیعت ہوتے ہیں کہ شاید ان بشارتوں اور وعدوں سے استفادہ کی کوئی صورت ان کے لیے بھی نکل آئے، چنانچہ اس کو بیعت وسیلت کے نام سے موسوم کرتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے؛ کہ اس بیعت کا فائدہ یہ ہے کہ بیعت کرنے والوں کا ایک قسم کا اتصالی رشتہ طریقہ کے ائمہ وبزرگوں سے قبر اور حشر میں قائم ہوجاتا ہے، اور طالب یعنی مرید کو وقتاً فوقتاً ان بزرگوں سے امداد ملتی رہتی ہے۔

## مرشد کے اوصاف والفاظ بیعت

شیخ ومرشد کے کچھ اوصاف ہوتے ہیں، چوں کہ اسے خلق خدا کی رہنمائی کرنی ہوتی ہے، وہ لوگوں کو برائی سے روکتا ہے، بری باتوں کی اصلاح کرتا ہے، گناہ سے لوگوں کو بچانے کی فکر کرتا ہے، لہذا وہ صاحب علم وعمل ہوتا ہے دین کی ضروریات سے واقف ہوتا ہے، پرہیزگار و متقی ہوتا ہے، اپنے زمانے کے معتبر اہل اللہ سے صحبت ومجالست وتوبہ کا مجاز ہوتا ہے، اور سلوک کے نشیب وفراز سے واقف رہتا ہے۔

کسی بھی سلسلہ میں بیعت ہوتے وقت مرید اپنے شیخ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر کچھ کلمات دہرائے، شیخ سب سے پہلے خطبہ مسنونہ پڑھ کر اپنا دایاں ہاتھ مرید کے دائیں ہاتھ میں دے کر یہ الفاظ بیعت کہے۔

"بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

أشهد أن لا اله الا اللّٰہ وأشهد أن

محمدا عبده ورسوله.

یا اللہ! ہم توبہ کرتے ہیں، کفر سے، شرک سے، بدعت سے، چوری سے، زنا سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان لگانے سے اور ہر گناہ سے، چھوٹا یا بڑا گناہ، اور ہم عہد کرتے ہیں کہ تیرے سارے حکموں کو مانیں گے، اور تیرے رسول پاک ﷺ کی تابعداری کریں گے، یا اللہ! تو ہماری توبہ قبول فرما، ہمارے سب گناہوں کو بخش دے، اور ہمیں توفیق دے اپنی رضامندی کی اور اپنے رسول پاک ﷺ کی تابعداری کی"۔

## سالک راہ کے لیے اہم نصائح واذکار

توبہ کی تلقین کے بعد شیخ مرید کو اچھی باتوں کی نصیحت کرے، اور خلاف شریعت باتوں سے بچنے کی تلقین کرے، پڑھنے کے لیے قرآن شریف کا کچھ حصہ تلاوت کے ساتھ تین تسبیحات کا معمول بتائے، جس میں تیسرا کلمہ سومرتبہ، سومرتبہ درود شریف اور سومرتبہ استغفار ہو، جو دن بھر میں کسی بھی وقت یکسو ہوکر پورا کرے۔

اسی طرح جو شخص فارغ ہو اور وہ عالم نہ ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اختلاط سے اپنے کو بچائے، لوگوں سے زیادہ میل جول نہ رکھے، اپنی زبان سے خلاف شرع باتیں نہ نکالے، اور تنہائی میں جو وقت ملے، اس میں قرآن کی تلاوت اور ذکر واذکار کرتا رہے، اور دین کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہے، اور دینی احکام علماء سے معلوم کرکے سیکھتا رہے، اور اگر اپنی بستی میں اللہ والے موجود ہوں تو ان کے پاس جاتا رہے، اس میں شوق وذوق اور آگے بڑھنے کی لگن ہو تو اسے لفظ "اللّٰہ" کا ذکر کثیر تعداد میں بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ وہ تحمل کرسکتا ہو، مثلاً روزانہ پانچ سے دس ہزار بار ہلکی آواز کے ساتھ ذکر کے لیے متوجہ کرسکتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی عالم ہے لیکن کسی کام میں لگا ہوا ہے، تو اس کے لیے لفظ "اللّٰہ" کے ذکر کی تعداد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار مرتبہ ہلکی آواز کے ساتھ ہے۔

اسی طرح وہ عالم جو کسی کام میں لگا ہوا نہیں ہے اور فرصت کے ایام ہیں تو اس کے لیے سلسلہ چشتیہ کا ذکر مفید ہے، وہ آگے بیان میں آرہا ہے، آواز کے ساتھ ذکر کرنے میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے دل میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور وسوسے وخیالات کم آتے ہیں، تو تھوڑے سے ذکر کرنے سے جلد فائدہ ہوتا ہے، اس زمانہ میں انسانی اعضاء وقویٰ کمزور ہیں اس لیے زیادہ زور سے ذکر نہیں کرنا چاہئے اگر کمرہ میں دوسرے لوگ موجود ہوں تو اس میں بھی احتیاط کرنا چاہئے۔

جب انسان کثرت سے ذکر اللہ کرے گا، اور اپنی زبان کو ذکر سے تر رکھے گا، تو اس

کا اثر دل تک پہونچے گا تو انسان کا دل بھی ذاکر بن جائے گا، اصلا تو ذکر قلبی ہی ہے، اور اللہ کے یہاں دل ہی کی قیمت ہے، انسان کے جسم کے اندر تقریبا ساڑھے تین کروڑ نسیں ہیں، ذکر قلبی کا نور نس نس سے پورے خون میں چلا جاتا ہے، جب پورے خون میں یہ اثر کر گیا تو حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، کہ تو ایک دفعہ "اللّٰہ" کرے گا، تجھے ساڑھے تین کروڑ مرتبہ "اللّٰہ اللّٰہ" کرنے کا ثواب ملے گا، دل نے ایک دفعہ "اللّٰہ" کہا، ساڑے تین کروڑ نسیں "اللّٰہ" کے ذکر سے گونج اٹھیں، اگر کسی کا دل ایک دفعہ "اللّٰہ" کرے تو انسانی جسم میں موجود ۷۲ بہتر ہزار مسام بھی ذکر کرنے لگتے ہیں، اسی طرح انسانی خون کے اندر ذرات ہیں جس کو ریڈ جمز کہا جاتا ہے، وہ بھی "اللّٰہ اللّٰہ" کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور ان کی تعداد کا کوئی شمار نہیں، جب دل ذاکر ہو گیا تو سوتے جاگتے، کھاتے پیتے ہر وقت دل ذکر اللہ میں مشغول رہے گا۔

مولانا حکیم عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ارشاد رسول ﷺ ہے کہ جو "لا الہ الا اللّٰہ" کی گواہی دیتے ہوئے وفات پائے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، مرید کے لیے ضروری ہے کہ ان مقامات میں وہ برابر ترقی کرتا رہے، اور ان مقامات کے لیے طاعات اور اخلاص اصل ہے، اس کی بنیادی اور مقدم شرط ایمان ہے، پھر اس کے نتیجے میں کچھ احوال وصفات اور نتائج وثمرات ظاہر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مرید درجہ بدرجہ توحید ومعرفت کے بلند مقام پر پہونچ جاتا ہے، اگر کسی مقام و حالت میں صحیح اور مطلوب ثمرات نہ حاصل ہوں، تو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے والے مقام میں کوئی تقصیر رہ گئی ہے، اور ٹھیک اسی طرح واردات قلبی اور کیفیات نفسی میں بھی سمجھنا چاہئے اس لیے ضروری ہے کہ مرید اپنے ہر قول وفعل کا برابر محاسبہ کرتا رہے اور جائزہ لیتا رہے، کیوں کہ اعمال کے نتائج وثمرات کا ظہور ضروری ہے، اور اگر نتائج وثمرات ٹھیک طور پر نہیں ظاہر ہو رہے ہیں، تو اس کا سبب عمل میں کوئی کمی یا کوتاہی ہے، مرید اپنے اعمال کا محاسبہ اپنے ذوق

ووجدان کے ذریعہ کرتا ہے، لیکن یہ صفت بہت کم لوگوں کو حاصل ہے، اور عام طور پر لوگ اس معاملہ میں غفلت کا شکار ہیں۔

## مراقبہ

مشائخ کے یہاں مراقبوں کا معمول بھی بتایا جاتا ہے، مراقبہ یہ ہے کہ انسان اپنے سارے ادراک واحساس کے ساتھ اس ذات مجرد کی طرف متوجہ ہوجائے جس کو لفظ اللہ سے لوگ جانتے ہیں، لفظ سے الگ ہوکر محض ذات کا تصور کرنا بہت کم ہے، مراقب کا کام یہ ہے ذات باری تعالیٰ کی طرف توجہ الفاظ سے الگ ہوکر کرے، اور اللہ کی طرف وساوس اور دوسرے خیال سے اپنے کو علاحدہ کرکے متوجہ ہوجائے۔

مراقبہ دعائیہ کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کی طرف متوجہ ہوکر دل ہی دل میں دعا کے الفاظ دہراتا ہوا یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام باتوں کو سن رہا ہے، آہستہ آہستہ یہ خیال اور مراقبہ قوی سے قوی تر ہوتا جائے گا، اسی طرح مراقبہ موت، مراقبہ حشر وغیرہ ہے۔

## پاس انفاس کا طریقہ

مشائخ کے یہاں ایک طریقہ پاس انفاس کا بھی ہے، جس میں مرید اپنی سانسوں کے آمد ورفت میں یہ تصور کرتا ہے، کہ اس کی سانسوں سے ذکر جاری ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر صرف ''اللّٰہ'' کا ذکر کرے، تو سانس اندر لیتے وقت سانس کی آواز میں ''اللّٰہ'' کو شامل کرے، اور سانس باہر چھوڑتے وقت ''ھو'' کو اپنی سانس کی آواز میں شامل کرے، اور یہ ذکر بلا تعداد کرتا جائے، اور اگر ''لا الہ الا اللّٰہ'' کا ذکر کرنا ہے، تو سانس باہر لیتے وقت ''لا الہ'' سانس کی آواز میں کہے، اور سانس اندر لیتے وقت ''الا اللّٰہ'' کہے، اس ذکر کا بڑا اثر ہوتا ہے، اس کی کثرت کرنے سے بلا تکلف ذکر جاری رہتا ہے، بظاہر دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ذکر سے ذہول ہوجاتا ہے، لیکن جس وقت متوجہ ہوں گے خود کو ذکر میں مشغول پائیں گے۔

## ذکر خفی کے تین طریقے

ذکر خفی کا طریقہ یہ ہے کہ جلسہ کی شکل میں یا چہار زانو بیٹھ کر انگلیوں سے اپنے کانوں کے سوراخ کو بند کرے اور آنکھیں بھی بند ہوں اور زبان تالو سے لگی ہوئی ہو، ہونٹ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، اس طرح سانس کھینچ کر لائے نفی کا تصور کرتے ہوئے ''الا اللّٰہ'' کی ضرب قلب پر لگائی جاتی ہے، ایک سانس میں پانچ یا سات ضربیں لگانے کے بعد دوسری سانس لے اور یہ عمل مکرر کرتا جائے، اس ذکر میں فوراً جوش آجاتا ہے، اور حرارت عشقی جوش مارتی ہے، اور انوار بہت کثرت سے معلوم ہوتے ہیں، اور بے خودی اور وجد پیش آتا ہے اس عمل کا کرنے والا ہی اس کی لذت سے واقف ہے، لیکن یہ ذکر موسم سرما میں کرنا چاہئے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسی طرح کان و آنکھ اور زبان و ہونٹ بند کرے اور سانس کو روک کر ''لا'' کو نفی کے تصور کے ساتھ قلب سے اوپر اٹھائے اور ''الـــہ'' کو دماغ تک لے جائے اور وہاں سے ''الا اللّٰہ'' کی ضرب قلب پر لگائے، ایک سانس میں سات بار کم از کم کرنے کی کوشش کرے، اور اکیس مرتبہ تک اس کو پہونچائے، اس عمل سے قلب اور اعضاء حرکت کرنے لگتے ہیں، وساوس فرار ہو جاتے ہیں، اور غفلت اور نیند بالکل دور ہو جاتی ہے، قلب کے جاری ہونے کے لیے اس سے نہایت مدد پہونچتی ہے، جو شخص اس ذکر کو (۲۱) اکیس بار کہے اور یہ امور پیدا نہ ہوں تو جاننا چاہئے کہ ذکر صحیح طور پر نہیں ہوا، اس کو صحیح سے دوبارہ مشق کرے۔

تیسرا طریقہ بہت آسان ہے کہ ایک سانس میں نفی کا تصور کرے اور دوسرے میں اثبات کا تصور کرے، اور اس کو سوتے جاگتے چلتے پھرتے برابر کرتا رہے، اس سے زندگی کی تمام سانسیں ذکر سے منور ہو جاتی ہیں، اور کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہیں جاتی، اور یہ خاتمہ بالخیر کا سبب ہے، اور اس سے جلد قلب جاری ہو جاتا ہے۔

## نفی واثبات کے ذکر کا طریقہ

جمہور اہل طریقت نے سب سے افضل نفی واثبات اور اسم ذات کا ذکر بتایا ہے، اس ذکر کے کچھ شرائط وآداب مقرر ہیں، ان شرائط وآداب کی رعایت کرنے سے دلجمعی حاصل ہوتی ہے اور وساوس ختم ہوتے ہیں، محبت کی گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو وساوس واوہام سے خالی کر کے طہارت سے آراستہ ہو کر دو رکعت نماز پڑھ کر قبلہ رو بیٹھ جائے، اور ''لا الـہ الا اللّٰـہ'' کا ورد کرے، ''لا'' کو نیچے سے شروع کرے ''الـہ'' دماغ میں کہے اور پوری قوت سے دل پر'' الا اللّٰہ'' کی ضرب لگائے، تشدید اور مد کو خاص طور سے ملحوظ رکھے، نفی کرتے وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز کی نفی کرے، دلجمعی کے ساتھ یہ ذکر کرنے سے اطمینان قلب نصیب ہوگا۔

یہ سب اذکار ومراقبات تحصیل نسبت کے واسطے ہیں، جب نسبت یاد داشت حاصل ہو تو یہ سب ذکر واذکار ومراقبات چھڑا دیئے جائیں، حضرت رائے پوری سے ایک مرتبہ ذکر کی ترقی کے تعلق سے پوچھا گیا فرمایا: یہاں تک ذکر کرے، کہ روح ذاکر ہو جائے، روح کے ذاکر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دھیان ہر وقت اسی کی طرف لگا رہے، خواہ دنیا کے کام کر رہا ہو، تجارت کرتا ہو کھیتی کرتا ہو، مگر خیال ہر وقت اسی طرف رہے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ فرماتے ہیں

''وظائف واذکار، ریاضات، خولت، چلہ کو مقرر کرنا، ذکر جہری اور ذکر خفی کی وضعوں کو مقرر کرنا، ضرب عدد، اور مراقبۂ برزخیہ کا مقرر کرنا اگر طالب ان سب کو اصل کمال شرعی یا مکملات میں سمجھے، تو یہ سب بدعت حقیقیہ ہیں، لیکن خواص ان کو صرف وسائل وذرائع جان کر رواج دیتے ہیں ان کے حق میں بدعت حکمیہ ہیں، لیکن اخص الخواص جو ان چیزوں سے بہ وقت ضرورت کام لیتے ہیں، اور پھر کام نکلنے کے بعد چھڑا دیتے ہیں، ان کے حق میں یہ بدعت نہیں ہیں''۔

# طریقت کے اصول

تمام ائمہ تصوف واصحاب سلاسل راہ سلوک کے اصول ومقاصد کے بارے میں متفق ہیں، مثلاً سالک سلف صالحین کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھتا ہو، اور ارکان اسلام کی پابندی کے ساتھ کبائر سے اجتناب رکھتا ہو، اور مجتہد بننے کی صلاحیت نہ ہو تو ائمہ سلف میں سے کسی کی تقلید کرتا ہو۔ اس کے بعد راہ طریقت پر چلنے والے کے لیے اپنے اوقات کو تلاوت وذکر، نماز ونوافل وسنن ومستحبات سے معمور رکھنا لازمی ہے، تاکہ وہ غافل نہ ہو، اور ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مشغول ہو، غفلت بہت مضر ہے، اور اپنے آپ کو برے خصائل سے بچائے، حسد، غیبت کینہ، جھوٹ، فریب دھوکہ دہی سے اپنے کو دور رکھے۔

فرائض وسنن کے ساتھ احادیث میں مذکور مختلف اوقات میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں اس کو اپنا معمول بنائے، قرآن کی تلاوت کا کچھ نہ کچھ معمول رکھے، زیادہ کھانا، زیادہ سونا، لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا اور کثرت کلام کو شریعت میں مستحسن نہیں سمجھا گیا ہے، چوں کہ اس سے یاد الٰہی سے غفلت ہوتی ہے، اس وجہ سے ان امور سے بچنا چاہئے۔

مذکورہ بالا امور کی پابندی سے انسان کے دل میں اللہ سے محبت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ سے انسیت پیدا ہوتی ہے اور جب وہ باقاعدہ ذکر الٰہی میں لگ جاتا ہے تو اس کو بہت جلد فائدہ ہوتا ہے۔

# حضرت شاہ ولی اللہ کے سلاسل

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو سلسلہ چشتیہ، قادریہ، نقش بندیہ کے علاوہ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حاصل ہے، اورانہیں سید عظمت اللہ اکبرآبادی سے اجازت حاصل ہے۔

اوّل۔سلسلہ مدنیہ جو شیخ ابو مدین کی طرف منسوب ہے۔اس سلسلہ کی دو شاخیں ہیں اول عیدروسیہ، جو سید عبداللہ عیدروس کبیر کی طرف منسوب ہے۔

دوّم منقاریہ۔ جو سعید بن محمد مقری کی طرف منسوب ہے، سلسلہ مدنیہ کی دونوں شاخوں کی اجازت شاہ صاحب کو شیخ ابو طاہر مکی سے حاصل ہے، شیخ ابو طاہر مکی وہی ہیں جن سے شاہ صاحب حدیث کی روایت کرتے ہیں اور ان ہی سے تصوف میں اجازت بھی حاصل ہے۔

سوّم۔طریقہ شاذلیہ کی اجازت حضرت شاہ صاحب کو شیخ ابو طاہر کردی سے حاصل ہے، یہ سلاسل ابو محمد جابر کے واسطے سے سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہونچتے ہیں، اوران سے سیدنا علی کرم اللہ وجھہ کے واسطے سے سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہونچتے ہیں۔

چہارم۔سلسلہ شطاریہ۔ یہ شیخ عبداللہ شطاری کی طرف منسوب ہے اس کی اجازت بھی شاہ صاحب کو شیخ ابو طاہر کردی سے ہے۔

چوں کہ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے واسطے سے حضرت سید احمد شہید کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے تمام سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل ہے، اور حضرت سید احمد شہید ہی ان تمام سلاسل کے مجدد قرار پاتے ہیں یہاں ہم ان کے تمام سلاسل کا ذکر کر رہے ہیں، حضرت سید احمد شہید نے اپنے ایک رسالہ میں اپنے سلاسل

طریقت کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

اس فقیر کو طریقہ عالیہ چشتیہ و قادریہ و نقشبندیہ و مجددیہ و محمدیہ کے طریقوں کی برکات دو طرح سے حاصل ہیں۔

## وجہ اول، اویسیہ۔

یہ فقیر اویسی طور پر طریقہ چشتیہ میں حضرت خواجہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی روح مقدس سے اور طریقہ قادریہ میں حضرت غوث الثقلین حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی روح مقدس سے اور طریقہ نقش بندیہ میں حضرت امام الشریعت والطریقت حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندی بخاری سے متحقق ہوا، اور طریقہ مجددیہ و محمدیہ میں بلا واسطہ کسی کے حضرت حق کی بارگاہ سے مستفید ہوا، مقام اویسیہ کا یہ حصول اگرچہ محض بفضل الٰہی متحقق ہوا لیکن ظاہری اسباب میں یہ سبب اس فقیر کے حق میں حضرت پیر و مرشد کی دعا کا نتیجہ ہے۔

## وجہ ثانی: بطریق بیعت و اجازت

یہ فقیر سلاسل مذکورہ کے مشائخ کی سلک میں بطریق بیعت و اجازت منسلک ہے، اس طریقہ پر کہ اس فقیر کو قدوۃ العلماء والمحدثین وارث الأنبیاء والمرسلین حجۃ اللّٰہ علی العالمین مولانا و مرشدنا شیخ عبدالعزیز سے انتساب بیعت و اجازت ہے۔

اور ان کو اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ ﷺ اور ان کو اپنے والد ماجد شیخ عبدالرحیم سے اور ان کو طریقہ چشتیہ میں اپنے نانا بزرگوار شیخ رفیع الدین سے انتساب بیعت و اجازت ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| اوران کو | شیخ قطب عالمؒ | سے |
| اوران کو | شیخ نجم الحق چائیں لدہ | سے |
| اوران کو | شیخ عبدالعزیزؒ | سے |
| اوران کو | قاضی خان یوسف ناصحی | سے |
| اوران کو | شیخ حسن طاہر | سے |
| اوران کو | شیخ حسام الدین مانکپوریؒ | سے |
| اوران کو | خواجہ نور قطب عالمؒ | سے |
| اوران کو | شیخ علاء الحق | سے |
| اوران کو | شیخ اخی سراج | سے |
| اوران کو | سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین | سے |
| اوران کو | امام الزاہدین حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج | سے |
| اوران کو | قطب الأقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی | سے |
| اوران کو نائب رسول اللہ ﷺ | حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری | سے |
| اوران کو | خواجہ عثمان ہارونی | سے |
| اوران کو | حاجی شریف زندنی | سے |
| اوران کو | خواجہ مودود چشتی | سے |
| اوران کو | خواجہ یوسف چشتی | سے |

| | | |
|---|---|---|
| اوران کو | خواجہ محمد چشتی | سے |
| اوران کو | خواجہ ابو محمد چشتی | سے |
| اوران کو | خواجہ ابو اسحاق چشتی | سے |
| اوران کو | شیخ ممشاد علو دینوریؒ | سے |
| اوران کو | شیخ ابو ہبیرہ بصری | سے |
| اوران کو | حذیفہ مرعشی | سے |
| اوران کو | سلطان التارکین حضرت ابراہیم ادھم | سے |
| اوران کو | شیخ فضیل ابن عیاض | سے |
| اوران کو | شیخ عبدالواحد بن زیدؒ | سے |
| اوران کو | خیر التابعین حضرت حسن بصریؒ | سے |
| اوران کو امام الاولیاء قدوۃ الأتقیاء حضرت علی کرم اللہ وجھہ | | سے |
| اوران کو سید الأنبیاء والمرسلین محبوب رب العالمین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ | | سے |

# سلسلہ قادریہ

اسی طرح حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو طریقہ قادریہ میں سید عبداللہ اکبرآبادیؒ سے انتساب بیعت واجازت ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| اوران کو | حضرت سید آدم بنوریؒ | سے |
| اوران کو | امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی | سے |
| اوران کو | اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد | سے |
| اوران کو | شاہ کمال | سے |
| اوران کو | شاہ فیصل | سے |
| اوران کو | سید گدائے رحمٰن | سے |
| اوران کو | سید شمس الدین عارفؒ | سے |
| اوران کو | سید گدائے رحمٰن بن ابوالحسنؒ | سے |
| اوران کو | شیخ شمس الدین صحرائیؒ | سے |
| اوران کو | سید عقیل | سے |
| اوران کو | سید بہاءالدین | سے |

| | | |
|---|---|---|
| اوران کو | سید عبدالوہاب | سے |
| اوران کو | سید شرف الدین قتال | سے |
| اوران کو | سید عبدالرزاق | سے |
| اوران کو | حضرت غوث الاعظم سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ | سے |
| اوران کو | شیخ ابوسعید مخرمی | سے |
| اوران کو | شیخ ابوالحسن القرشیؒ | سے |
| اوران کو | شیخ ابوالفرح طرسوسی | سے |
| اوران کو | شیخ ابوالفضل عبدالواحد علیؒ | سے |
| اوران کو | شیخ ابوالفضل یمنیؒ | سے |
| اوران کو | شیخ ابوبکر شبلیؒ | سے |
| اوران کو | سید الطائفہ جنید بغدادی | سے |
| اوران کو | شیخ ابوالحسن سری سقطی | سے |
| اوران کو | شیخ معروف کرخی | سے |
| اوران کو | امام علی رضاؒ | سے |
| اوران کو | امام موسیٰ کاظم | سے |
| اوران کو | امام جعفر صادق | سے |
| اوران کو | امام محمد باقرؒ | سے |

اوران کو امام زین العابدینؒ سے

اوران کو سیدالشہداء حضرت حسینؓ سے

اوران کو سیدالاولیاء خاتم الخلفاء حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے

اوران کو سیدالأنبیاء خاتم الرسل والأنبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ سے

# سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ

اسی طرح حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو طریقہ نقش بندیہ مجددیہ میں سید عبداللہ اکبر آبادی سے انتساب بیعت واجازت ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| اوران کو | حضرت سید آدم بنوریؒ | سے |
| اوران کو | شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی | سے |
| اوران کو | خواجہ باقی باللہ | سے |
| اوران کو | خواجہ امکنکی | سے |
| اوران کو | مولانا درویش محمد | سے |
| اوران کو | مولانا زاہد | سے |
| اوران کو | خواجہ عبیداللہ احرار | سے |
| اوران کو | مولانا یعقوب چرخی | سے |
| اوران کو | امام الشریعت والطریقت حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندی | سے |
| اوران کو | خواجہ محمد باباسماسی | سے |

| | | |
|---|---|---|
| اوران کو | خواجہ علی عزیزان رامیتنی | سے |
| اوران کو | خواجہ محمود انجیر فغنوی | سے |
| اوران کو | خواجہ عارف ریوگری | سے |
| اوران کو | خواجہ خواجگان خواجہ عبدالخالق غجدوانی | سے |
| اوران کو | خواجہ یوسف ہمدانی | سے |
| اوران کو | شیخ بوعلی فارمدی | سے |
| اوران کو | امام ابوالقاسم قشیریؒ | سے |
| اوران کو | شیخ ابوعلی دقاق | سے |
| اوران کو | شیخ ابوالقاسم نصرآبادی | سے |
| اوران کو | شیخ ابوبکر شبلی | سے |
| اوران کو | سید الطائفہ جنید بغدادی | سے |
| اوران کو | شیخ ابوالحسن سری سقطی | سے |
| اوران کو | شیخ معروف کرخی | سے |
| اوران کو | امام علی رضا | سے |
| اوران کو | امام موسیٰ کاظم | سے |
| اوران کو | امام جعفر صادق | سے |
| اوران کو | رئیس الفقہاء والتابعین قاسم ابن محمد | سے |

اوران کو صاحب رسول اللہ ﷺ حضرت سلمان فارسیؓ سے

اوران کو امیر المؤمنین سید المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے

اوران کو سید المرسلین امام المتقین حضرت محمد ﷺ سے

# حضرت سید احمد شہید کا راہ سلوک

حضرت سید احمد شہید اصلا تمام سلاسل کے مجدد ہیں، اور آپ تمام سلسلوں میں بیعت لیتے تھے، اور ایمان و احتساب کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے اپنے سلسلہ کا نام سلسلہ محمدیہ رکھا تھا، اور فرماتے تھے کہ ہم طریقہ محمدیہ کے اشغال کی تعلیم اس طرح کرتے ہیں کہ کھانا اس نیت سے کھایا جائے، کپڑا اس نیت سے پہنا جائے، نکاح اس نیت سے کیا جائے، سونے کی یہ نیت ہونی چاہئے، زراعت، تجارت، ملازمت، شادی بیاہ سب میں نیت رضائے الٰہی کی طرف ہونی چاہئے، اور اس طریقہ کی نسبت ظاہرا اللہ کے رسول ﷺ سے اس طرح ہے تصحیح نیت اور استحضار نیت۔

اس طریقہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی تمام عبادات و عادات کے ساتھ عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے تھے۔ ''سید صاحب توحید و رسالت اور اتباع سنت پر بیعت لیتے تھے، اور اتباع سنت کے لیے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے، اور بدعت کے سخت ماحی و مخالف تھے''۔

## راہ خدا میں

تیرھویں صدی کے آغاز میں حضرت سید احمد شہید ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے، چار سال کی عمر میں ایک مکتب میں بٹھائے گئے، لیکن ظاہری علم کی طرف رغبت نہ ہوسکی، تین سال میں صرف چند سورتیں ہی یاد ہوسکی، یہ صورت حال دیکھ کر ان کے والد ماجد مولانا عرفان صاحب اور بڑے بھائی نے ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا، جب سن تمیز کو پہونچے تو

سادات تکیہ کے کچھ رفقاء کے ساتھ لکھنو کا رخت سفر باندھا، اور وہاں تلاش روزگار میں لگ گئے، لیکن روزگار نہ ملنے کی وجہ سے تمام ساتھیوں کو نہایت تکلیف تھی، سید صاحب کے واسطے کسی جاننے والے امیر کے گھر سے دو وقت کھانا آتا تھا چار مہینے تک یہی حالت رہی، آخر اس امیر کو سرکار کی جانب سے ایک سو سوار رکھنے کی اجازت ملی، اس خبر کو سن کر ایک ہزار امیدوار نوکری کے لیے آ گئے، تب اس امیر نے ہر دس امیدواروں میں سے ایک کو نوکر رکھ لیا، اور دو اسامیاں سید صاحب کے حوالہ کر دی، لیکن سید صاحب نے اپنے ساتھیوں کو فضل الٰہی کا امیدوار کر کے وہ دونوں اسامیاں دو اجنبی اور غریب لوگوں کو دے دی۔

وہ رئیس سید صاحب کے ایثار اور ان کے ساتھیوں کے جذبہ سے اس قدر متاثر ہوا، کہ اس نے کہا کہ آپ حضرات کے لیے کوئی نہ کوئی مشغولیت میں ضرور تلاش کروں گا۔

کچھ دنوں بعد والی لکھنو سیر و شکار کے لیے نکلا، اس وقت نواب سعادت علی خاں کا عہد حکومت تھا جو ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۸ء میں تخت نشیں ہوئے تھے۔ اس رئیس نے سید صاحب اور ان کے ہمراہیوں کو بھی ساتھ لے لیا، کہ شاید اس دوران کوئی روزگار میسر ہو جائے، لیکن اس تین مہینے کے سفر میں بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا، رئیس یہ کہہ کر تسلی دیتا رہا، کہ آج کل میں انتظام ہو جائے گا، سید صاحب ابتدائے سفر سے ہی عزیزوں کو سمجھاتے رہے تھے کہ بھائیو ملازمت کا خیال دل سے نکالو اور دہلی جا کر خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت کو اختیار کرو، لیکن آپ کے ساتھیوں پر آپ کے ان نصائح کا کچھ اثر نہ ہوا۔

## سفر دہلی

مولوی سید محمد علی صاحب، صاحب ''مخزن احمدی'' کہتے ہیں کہ جب سید صاحبؒ کو ساتھیوں سے مایوسی ہوئی، تو ایک رات مجھے الگ لے گئے اور خصوصیت کے ساتھ سمجھایا اور ''کہا کل یا پرسوں ہم دہلی جائیں گے، ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں'' میں نے کہا: ''سامان سفر تو دور کی بات، میرے پاس تو تن کے کپڑوں کے سوا پہننے کی بھی کوئی چیز

نہیں، آپ کی بھی یہی حالت ہے، آپ ہی ایسی بے سروسامانی کی حالت میں سفر کی ہمت رکھتے ہیں، میں کم ہمت ایسے سفر کی طاقت نہیں رکھتا''۔اس طرح دو تین دن گزر گئے اور لشکر کا کوچ ہو گیا، دوپہر کو ہم لوگ منزل پر پہنچے اور سب ہمراہی ایک جگہ اکٹھے ہوئے، تو معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ نہیں ہیں جہاں جہاں احتمال تھا، شام تک تلاش کیا، لیکن پتہ نہ چلا، چونکہ یہ سفر محمدی کے جنگل میں تھا اور وہ جنگل نہایت خطرناک اور درندوں، شیر، بھیڑیے، ریچھ، ہاتھی کے لئے مشہور تھا، اور ہر منزل پر ایک دو آدمی ان کا شکار ہو جاتے تھے، اس لئے ہم سب کو فکر ہوئی کہ نصیب دشمناں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا، رفتہ رفتہ اس کا یقین آ گیا، تین دن رات ہم لوگ اسی رنج والم میں مبتلا رہے۔

چوتھے روز محمدی جنگل کی طرف سے لشکر میں ایک آدمی آیا، اس نے کہا کہ ایک میاں اس حلیہ کے جو صرف حضرت ہی کا ہو سکتا تھا، مجھے راستے میں دکھائی دیئے، ان کے سر پر راب کا گھڑا تھا اور پیچھے ایک سپاہی، میں نے کہا: میاں سپاہی! یہ صاحبزادے تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، کیا ماجرا ہے؟ اس نے یہ عجیب قصہ سنایا کہ جب میں اپنے مکان سے چلا تو ایک بوڑھے کے سوا کوئی مزدور نہیں ملا، وہ بوڑھا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھا، لیکن اس پر کئی فاقے ہو چکے تھے، اس نے اس امید سے کہ پیٹ بھرنے کی مزدوری مل جائے گی، بوجھ لے لیا اور گرتا پڑتا بہزار خرابی میرے ساتھ چلا، تھوڑی دیر کے بعد یہ صاحب ملے اور مزدور کی یہ حالت دیکھ کر ان کے آنسو نکل آئے اور مجھ سے کہا، بندۂ خدا کچھ خدا کا خوف کر، کیوں اس بیچارے سے بے گار کرا رہا ہے؟''میں نے کہا: میں نے اس پر زبردستی نہیں کی، بلکہ اس کو مزدور کیا ہے'' آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے کہا ''دو روز سے فاقہ میں تھا، میں نے کہا کہ یہ مزدوری کرلوں، شاید پیٹ بھرنے کا سامان ہو جائے''۔آپ نے مجھ سے کہا: ''اگر مزدوری تمہارے پاس ہو تو اس کو دے دو، ورنہ خدا کے غضب سے ڈرو، میں نے اسی وقت پیسے نکال کر دے دیئے، آپ نے کہا: اب تھوڑی دیر اس درخت کے نیچے بیٹھ کر دم لے لو، میں بیٹھ گیا، آپ نے کہا: اب اس مزدور کو رخصت کر دو اور مجھے مزدور سمجھو، تمہارا بڑا احسان ہو گا، میں نے

کہا: صاحبزادے ''نیکی اور شرافت اور سمجھ داری تمہاری شکل سے ٹپکتی ہے، مگر اس وقت تم بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو، اس جنگل میں تو رستم کا بھی جگر شق ہوتا ہے، خود صحیح سلامت پہنچ جانا ہی بڑی بات ہے، اس بوجھ کے ساتھ ساتھ منزل پکڑنا بہت دشوار ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم میرے ساتھ سلوک کرو گے تو ساری عمر تمہارا احسان نہ بھولوں گا، میں نے مجبور ہو کر گھڑا سر پر رکھ دیا اور آپ نہایت اطمینان سے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے چلے آئے۔'' یہ سن کر عزیزوں کو اطمینان ہوا کہ خدا کا شکر ہے، خیریت سے ہیں۔ (مخزن احمدی)

یہ بوجھ پہنچا کر آپ نے اپنا سفر شروع کر دیا، اس وقت آپ کے پاس صرف تین پیسے موجود تھے، اور دہلی اس جگہ سے پندرہ منزل دور تھی، راستے میں ایک مرتبہ ایک منزل چلنے کے بعد پیسے کے ستو گڑ میں گھول کر کھانے بیٹھے، ایک غریب آدمی نے پکارا کہ چار پہر سے فاقے سے ہوں، سید صاحب فرماتے تھے کہ صدا سن کر نفس نے یہ صلاح دی کہ جھٹ پٹ سارے ستو پی کر سائل کو خشک جواب دے دوں، اس وقت غیب سے یہ بات میرے دل پر ملہم ہوئی کہ تو دو روز کا بھوکا ہے، اور وہ سائل چار روز کا بھوکا ہے، اس کا حق مجھ سے زیادہ ہے، میں نے اسی وقت کل ستو اس کے حوالے کر دیئے، اور آپ غذائے ملکوتی تہلیل و تسبیح سے رات بھر سیر ہو کر فجر کو آگے روانہ ہوئے، دوسری منزل پر آپ نے کچھ ستو گڑ کے ساتھ گھول کر نوش جان فرمائے، (سوانح احمدی)

ایک دن میں کئی کئی منزل طے کرنے اور تیز چلنے کی وجہ سے آپ کے پیروں میں چھالے پڑ گئے، راستے میں ایک قصبے کی مسجد میں قیام کیا، وہاں ایک شخص نے صورت دیکھ کر دریافت کیا ''کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا قصد ہے؟'' آپ نے کہا: ''اگر وعدہ کریں کہ حارج نہ ہوں گے اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں گے تو عرض کروں،'' انہوں نے وعدہ کیا تو آپ نے نام ونشان کا پتہ دیا، وہ آپ کے والد سید عرفان صاحبؒ کے مرید نکلے، آپ کو ہاتھوں ہاتھ گھر لے گئے، ہاتھ منہ دھلائے، پاؤں سے خون جاری تھا، اس پر منہدی اور ببول کے پتوں کا لیپ کیا اور وعدہ کر کے بہت پچھتائے مگر مجبور تھے، آپ کو سوار کرا کے دہلی تک پہنچا دیا۔ (سید احمد شہید)

## سلام مسنون

دہلی پہونچ کر آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز کے در دولت کا قصد کیا، اس وقت کے ہندوستان میں سلام مسنون کا رواج متروک ہو چکا تھا، اس سنت سے اتنا بعد ہو چکا تھا کہ عالمگیر جیسا متشرع اور فقیہ بادشاہ بھی اس کا متحمل نہیں تھا، مشہور مؤرخ میر سید محمد اپنی کتاب تبصرۃ الناظرین میں لکھتے ہیں، ۲۷ شعبان ۱۰۸۷ھ کو ایک سقے نے جامع مسجد کے زینے پر بادشاہ کے نزدیک آکر سلام علیک کہا، حکم ہوا کہ کوتوال کے حوالے کیا جائے، حتی کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان میں بھی اس کا رواج نہ تھا اور جب وہ سلام کرتے تھے تو کہتے تھے کہ عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے، رفیع الدین تسلیمات پیش کرتا ہے، سید صاحب پہلے پہل شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو سب سے پہلے السلام علیکم کہا، شاہ صاحب ان کا سلام سن کر نہایت خوش ہوئے، اور آپ نے حکم دیا کہ آئندہ سلام بطریق مسنون کیا جائے۔

## بیعت وسلوک کا آغاز

سید صاحب اکبرآبادی مسجد میں ترجمان القرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی تربیت میں قیام پذیر ہوئے، سید صاحب کو خاندان ولی اللہی کے ان دونوں بزرگوں سے استفادہ کا موقع ملا، شاہ عبدالقادر صاحب کو حضرت سید صاحب سے بڑی محبت تھی، امیر الروایات میں ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے سید صاحب کی بعض ادائیں دیکھ کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے انہیں مانگ لیا تھا

چند ایام نیک انجام گذرنے کے بعد شب جمعہ کو قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مولانا ممدوح پرفتوح کے دست مبارک پر سلسلہ چشتیہ، نقشبندیہ اور قادریہ میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے، اور شب وروز حضرت امام المحدثین کے پاس رہنے لگے، عنایت الٰہی سے چند مدت میں عام سلوک کے تمام مقامات طے فرمائے۔

اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ جلسہ اول میں حضرت امام المحدثین نے جناب امیر المؤمنین کو لطائف ستہ میں سے لطیفۂ قلب کا توجہ دیا، اور اس دن اسی پر اکتفا کیا، پھر دوسرے دن جلسہ دوّم میں باقی لطائف خمسہ یعنی لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفیٰ اور لطیفہ نفس کا ارشاد فرمایا، اس کے بعد تیسرے روز جلسہ سوّم میں سلطان الذکر بتایا، حصول اذکار و لطائف ستہ اور سلطان الذکر کے بعد نفی واثبات کا ذکر تعلیم کیا۔

سید صاحب مسجد اکبر آبادی میں مشغول بحق رہتے تھے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی ایک مدت تک آپ کو سلوک کی تعلیم وتربیت فرمائی۔

## شغل برزخ کی تلقین

اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید صاحب سے شغل برزخ جس کو تصور شیخ کہتے ہیں امر فرمایا، یہ کلام سنتے ہی حضرت امیر المؤمنین نے جناب خاتم المحدثین کی خدمت میں التماس کیا کہ حضرت! اس خاکسار بے مقدار کی گستاخی معاف فرمائی جائے، خدمت بابرکت میں یہ عرض ہے کہ بت پرستی مشرکان نابنجار کا شعار ہے، اس میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ مفصل ارشاد ہو۔ حضرت امام المحدثین نے شعر حافظ شیرازیؒ کا پڑھا۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

ترجمہ: اگر پیر ومرشد یہ حکم دے کہ شراب سے اپنی زندگی کو رنگین کرلو، تو ان کا حکم ضرور مانو، اس لئے کہ سالک راستے کے نشیب وفراز سے ناواقف ہوتا ہے۔

حضرت سید المجاہدین نے عرض کیا کہ خاکسار بہر نوع پیر ومرشد کا فرماں بردار ہے، جو ارشاد ہو بلا انکار منقاد ہے، لیکن یہ فعل تو صریح بت پرستی معلوم ہوتا ہے، اس خدشہ کو دفع کرنے کے لیے کتاب اللہ یا حدیث رسول اللہ سے کوئی دلیل فرمائیں، ورنہ اس امر میں اس عاجز کو معاف فرمائیں۔ حضرت پیر روشن ضمیر نے یہ تقریر دلپذیر سن کر جناب امیر المؤمنین امام

المجاہدین کو اپنے سینہ بے کینہ سے لگایا اور ارشاد کیا کہ صد آفریں، حق بات یہی ہے جو تو نے کہی، اور بشارت دی کہ اے فرزند ارجمند: تجھ کو خدائے ذوالجلال ایزد متعال نے اپنی عنایات بے غایات سے ولایت انبیاء کا مرتبہ عطا فرمایا۔

بیعت و تلقین کے بعد شاہ صاحبؒ نے ہدایت دے کر سید صاحبؒ کو رخصت کیا اور آپ اپنے مسکن پر آئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے، شاہ عبدالقادرؒ نے بھی ایک مدت تک آپ کو سلوک کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ (صراط مستقیم)

## تصور شیخ سے معذرت کی وجہ

تصور شیخ سے اس شدت کے ساتھ معذرت کرنے کی وجہ خود سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''صراط مستقیم'' میں فرماتے ہیں:

> ''جو اشغال کہ بدعت ہیں، انہیں میں سے شغل برزخ (تصور شیخ) بھی ہے کہ وہ اکثر سلاسل طریقت کے پچھلے منتسبین میں بہت شائع و ذائع ہے، بلکہ بعض اکابر کے کلام میں اور تعلیم میں بھی وہ شامل ہے، اس شغل کی حقیقت یہ ہے کہ خطرات و وساوس کے ازالے اور توجہ کی مرکزیت و یکسوئی کے لئے شیخ کی صورت کو تعین و تشخیص کے ساتھ ذہن میں جماتے ہیں اور پورے ادب و تعظیم اور اپنی پوری توجہ و ہمت کے ساتھ اس (خیالی) صورت کی طرف متوجہ رہتے ہیں گویا تمام آداب و تعظیم کے ساتھ شیخ کے رو برو بیٹھے ہیں اور دل کو پورے طور پر اس کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں، اس شغل کی حقیقت حال اور اس کا حکم تصویر کی حقیقت حال سے معلوم کیا جا سکتا ہے، سب جانتے ہیں کہ تصویر کا بنانا گناہ کبیرہ اور عظیم معصیت ہے، اس کو دیکھتے رہنا بالخصوص تعظیم و توقیر کے ساتھ حرام ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنی قوم سے

فرمانا کہ ''مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي اَنْتُم لَهَا عَاكِفُونَ ''(۵۲:۲۱) یعنی یہ کیسے بت ہیں، جن پر تم جمے بیٹھے رہتے ہو؟ چونکہ ایسے الفاظ میں ہے جو کہ مطلق ہیں، اوران میں کوئی قید اور تخصیص نہیں، اس لئے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ بتوں پر ''عکوف'' ممنوع ہے اور عکوف کے معنی ہیں ''لزوم حضور'' خواہ قعود ونشست کی شکل میں ہو، خواہ قیام و وقوف کی شکل میں، اس تعظیم وادب ومحبت کے ساتھ یہ دوام حضور اور اس کا لزوم اس آیت کے تحت میں آتا ہے، اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ ظاہری تصویر کے ساتھ جو بھی یہ عمل کرے گا، عاصی و گنہگار ہوگا، اس ظاہری تصویر کے ساتھ مندرجہ بالا عمل کرنے والے اور شغل برزخ (تصور شیخ) کے عامل میں، جو سالک اور راہ حق کا طالب ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں کاغذ یا کسی ایسی ہی چیز پر ایک رنگین تصویر ہوتی ہے اور دوسری شکل (شغل برزخ) میں صفحۂ خیال پر شیخ کی ہو بہو صورت اپنے پورے خط وخال اور حلیے کے ساتھ مرتسم کی جاتی ہے، یہ عمل اگر چہ ظاہری نگاہ میں تصویر پرستی نہیں معلوم ہوتا، لیکن حقیقتاً وہ صاف صاف صورت پرستی ہے، کاغذی تصویر میں صورت وحلیہ کی اس قدر باریکیاں ظاہر نہیں ہو سکتیں، جیسی کہ صورت خیالی میں نمایاں ہوتی ہیں، حالانکہ دونوں بے جان اور بے روح ہیں، اس لئے جہاں تک تصویر کے مقصد ومعنی کا تعلق ہے، صورت خیالی صورت قرطاسی سے آگے بڑھی ہوئی ہے، اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان صرف اس بات سے تفریق کی جا سکتی ہے کہ اگر کاغذ یا پتھر کی تصویر کی اجازت دے دی جائے، تو ظاہری شریعت کے نظام میں بڑا خلل واقع ہوگا، لیکن دوسری شکل (صورت خیالی) میں شریعت کے ظاہری نظم وانتظام کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں، لیکن یہ

یادرکھنا چاہئے کہ فاعل کے ذہن وقلب پر اپنے اس عمل کا جو اثر پڑتا ہے، وہ صورت خیالی کی شکل میں کہیں زیادہ مؤثر اور خطرناک ہے اس بات کا تقاضا ہے کہ خیالی صورت کا جمانا اور اس کی طرف متوجہ رہنا بدرجۂ اولیٰ حرام قرار دیا جائے۔

اس کے علاوہ شغل برزخ کا رواج ناقصوں اور مبتدیوں کو رفتہ رفتہ کاغذی یا ظاہری تصویر تک پہنچا دیتا ہے، وہ ظاہری تصویریں بنا کر وہ تمام تعظیمی حرکات و آداب جو صاحب تصویر بزرگوں اور مشائخ کے سامنے بجالاتے ہیں، سب ان کی تصاویر کے سامنے بجالانے لگتے ہیں، اور صاف صاف صنم پرستوں کی شکل اختیار کرتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شغل برزخ اس فعل حرام کی سرحد تک بھی پہنچا دیتا ہے، اس لئے (اصول شرعیہ کا تقاضا ہے) کہ یہ عمل جو اس فعل حرام کا مقدمہ ہے، شریعت محمدیہ میں حرام ہو، اسی احتیاط وپیش بندی کی بنا پر کہ صورت پرستی مسلمانوں میں نہ آنے پائے، تصویر سازی کو مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا، شرائع سابقہ میں بعض اغراض صحیحہ کے حصول کے لئے، مثلاً کسی غائب، زندہ یا مردے کی شکل وشمائل معلوم کرنے کے لئے اس کی اجازت دی گئی تھی، جب شارع علیہ السلام نے تصویر سازی کے بارے میں اتنی احتیاط وانتظام سے کام لیا ہے، تو آپ کے متبعین اور شریعت محمدیہؐ کے پیروؤں کو شغل برزخ کو حرام وقبیح ہی سمجھنا چاہئے، جو شخص سیرت محمدیؐ پر نظر رکھتا ہے، اس کو خوب معلوم ہے کہ اگر اس زمانہ مبارک میں اس امر کے متعلق دریافت کیا جاتا تو ضرور اس کی ممانعت کی جاتی اور اس کی حرمت بیان کی جاتی۔ (صراط مستقیم)''

حضرت تھانوی فرماتے ہیں، کہ حضرت امام غزالی اور دوسرے ائمہ نے بھی عوام اور

انبیاء کے لیے ایسے ایسے اشغال کی تعلیم سے منع فرمایا ہے، جس سے کشف وغیرہ ہوتا ہو، کثرت تصور سے کبھی صورت مثالیہ روبرو حاضر ہو جاتی ہے، کبھی تو محض خیال اور کبھی لطیفہ غیبی اس شکل میں متمثل ہو جاتا ہے، اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی، ان مقامات پر اکثر ناواقف لوگ لغزش کھا جاتے ہیں (شریعت وطریقت، ص۔۲۸۶)

اصل مقصود تصور حق تعالیٰ ہے، مگر چوں کہ اللہ تعالیٰ مرئی نہیں ہیں، اس لیے جن کی قوت فکر یہ ضعیف ہوتی ہے، ان کو یہ تصور جمتا نہیں، ان کے ذہن میں خیالات بہت آتے ہیں، ایسے لوگوں کو یکسوئی حاصل کرنے کے واسطے تصور شیخ تجویز کیا گیا، یعنی دوسرے خیالات کو دفع کرنے کے لیے شیخ کا خیال تصور میں جمانا چوں کہ شیخ محبوب ہوتا ہے اس لیے یہ خیال جم جاتا ہے، اس یکسوئی سے توجہ الی اللہ کی استعداد ہو جاتی ہے، اور خطرات دفع ہو جاتے ہیں۔

## ولایت انبیاء سے مناسبت

ایک مرتبہ جناب امیر المؤمنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے عرض کیا، حضرت! ارشاد کیجئے کہ ولایت انبیاء اور ولایت اولیاء میں کیا فرق ہے؟ فرمایا: جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ جس کو ولی کی ولایت عطا فرماتا ہے، وہ شخص شب و روز مجاہدہ، ریاضت نفس، صوم وصلوٰۃ، کثرت نوافل اور خدمت خلائق میں مشغول رہتا ہے، اور فاسقوں فاجروں کو وعظ ونصیحت کے طور پر کچھ نہیں کہتا ہے، اس کی پہچان یہ ہے کہ گوشہ تنہائی میں مسرور، نشہ یاد الٰہی میں مخمور اور صحبت عوام سے دور رہتا ہے، ان اعمال کو اصطلاح صوفیائے کرام میں قرب بالنوافل کہتے ہیں۔

صاحب ولایت نبی کے دل میں محبت الٰہی اس طرح سما جاتی ہے کہ اس کے سوا کوئی شئے خیال میں نہیں آتی اور ہمیشہ بندگان خدا کے درمیاں ان کی ہدایت کے لیے مستعد، گنہ گاروں اور فاسقوں کو وعظ ونصیحت میں تیار، دنیاداروں کی طعن وملامت سے بے ننگ و زدوکوب سے بے عار، اقامت فرائض اللہ میں چست، اتباع سنت رسول اللہ میں چالاک،

توحید وسنت کے جاری کرنے میں بے خوف، شرک وبدعت کی بیخ کنی میں بے باک، مجاہدہ کفار اور تادیب اشرار میں جان ومال اور عزت وآبرو سے حاضر، ایذائے معاندین بے دین پر صابر، اکثر محفلوں اور مجلسوں میں للہ فی اللہ جاتا ہے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت سناتا ہے، یہ ہمیشہ اس کا کام ہے اور یہی اس کا پیشہ ہے، صوفیائے کرام اس کو قرب بالفرائض کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت امام المحدثین نے جناب سید المجاہدین سے فرمایا کہ اپنے مکان سکونت میں جا کر ٹھہرو، اور جو کچھ اشغال میں نے تعلیم کئے ہیں، نماز پنج گانہ کے بعد ان میں مشغول رہو، خصوصاً نماز فجر اور عصر کے بعد تسبیح وتہلیل اور مشق نفی واثبات میں اور عالم قدس کی طرف پوری روح کے ساتھ متوجہ رہنے اور جناب خاص میں مناجات، آہ وزاری میں کسی طرح تقصیر نہ کرنا۔ حضرت امام المحدثین کے ارشاد کے موافق جناب امیر المؤمنین عمل میں لائے۔

## رمضان میں حضرت علیہ الرحمۃ کی باطنی ترقیات

اسی ایام مبارک انجام میں کہ وہ ماہ رمضان المبارک کی اکیسویں تاریخ تھی، حضرت سید المجاہدین نے امام المحدثین کی خدمت میں مشرف ہو کر عرض کیا کہ اس عشرے کی کس رات میں لیلۃ القدر ہوگی تاکہ اس رات کو جاگوں؟ امام المحدثین نے کہا کہ جس طرح سے اور راتوں میں عبادت کرتے ہو ان راتوں کو بھی کرو، راتوں کو جاگنے سے کیا ہوتا ہے؟ اکثر پاسبان، چوکیدار راتوں کو جگا کرتے ہیں، مگر نصیب ان کے سوتے اور نعمت سے محروم ہوتے ہیں، اور جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت دیتا ہے جگا لیتا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت امیر المؤمنین چپ رہے، اور اپنے مکان پر جا کر جہاں اترے تھے تشریف لائے۔

اسی ماہ مبارک کی ستائیسویں شب کو آپ نے نماز عشاء کے بعد چاہا کہ کچھ دیر بیدار رہیں، مگر یکبارگی خواب نے اس طرح غلبہ کیا کہ حواس برجا نہ رہے، زمام طاقت قبضہ اختیار سے جاتی رہی، اپنی کچھ کوشش وتدبیر کام نہ آئی، بیتاب ہو کر نیتیں خدائے تعالیٰ کو سونپ کر سو رہے، پچھلی رات کو دو شخصوں نے آپ کو آ کر جگایا، آپ آنکھیں کھول کر کیا دیکھتے ہیں کہ

جناب رسالت مآب سید المرسلین رحمۃ للعالمین محمد مصطفے ﷺ اور حضرت امیر المؤمنین ابو بکر صدیقؓ داہنے اور بائیں بیٹھے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اٹھ کر غسل کر کہ تو جنبی ہے۔ حضرت سید المجاہدین نے اسی دم جا کر غسل کیا، غسل سے فراغت کے بعد ان دونوں بزرگوں کے نزدیک آئے، ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا: اے فرزند! آج لیلۃ القدر ہے، جناب قاضی الحاجات میں دعا اور مناجات کرنے سے کسی طرح قصور نہ کرنا۔ پھر وہ دونوں بزرگوار وہاں سے تشریف لے گئے۔

حضرت سید المجاہدین فرماتے تھے کہ اس رات کو مجھ پر نہایت فضل الٰہی ہوا کہ واردات عجیبہ اور واقعات غریبہ مشاہدہ ہوئے، میں بصارت ظاہری سے ہر شئے کو جس طرح سے ہے نظر کرتا تھا، اور پھر اسی حالت میں دیدۂ دل سے جس کو بصیرت باطنی کہتے ہیں تمام شجر و حجر اور دیوار و در کو سجدے میں تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے میں نے دیکھا، عجب طرح کا مقام حیرت تھا کہ اس کے شرح و بیان سے زبان قاصر ہے، اسی دم میں نے سر سجدہ میں رکھا، اور شکر الٰہی اور دعا و مناجات میں زبان کھولی، اور اس حالت میں بے ہوش و از خود فراموش رہا، یہاں تک کہ مؤذن نے صبح کی اذان کہی، دفعۃً آنکھ کھل گئی اپنے ہوش میں آ گیا، میں نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز با جماعت میں شامل ہوا، پھر نماز اشراق کے بعد حضرت امام المحدثین کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سلام مسنون الاسلام کے بعد جو کچھ اس رات کو مشاہدہ کیا تھا عرض کیا، آپ نے سن کر فرمایا: شکر ہے اس قادر مطلق کا جس نے شاہد مقصود سے تم کو ملایا اور حاجت دلی کو روا فرمایا۔

## طریق نبوت کی ابتداء

اس کے بعد روز بروز ترقی درجات کے آثار اور علوئے مراتب کے نشان اپنے میں مشاہدہ فرمانے لگے، چنانچہ اس طرح کا مضمون ہدایت مشحون کتاب مستطاب صراط مستقیم میں موجود ہے کہ سید المجاہدین نے ایک شب خواب دیکھا کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے تین خرمے

اپنے دست مبارک سے لے کر مجھ کر کھلائے، اس وضع سے کہ ایک بعد دوسرا، اس کے بعد تیسرا میرے منہ میں رکھا، جب میں اس خواب سے بیدار ہوا، رؤیائے صادقہ کے آثار و برکات اپنے میں ظاہر پائے، اور یہی واقعہ طریق نبوت کے ابتدائے سلوک کا حاصل بنا۔

## حضرت علیؓ کی خواب میں زیارت

اسی طرح فرماتے تھے، ایک مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ جناب ولایت مآب امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجھہٗ نے مجھ کو اپنے دست مبارک سے غسل دیا اور خوب سا سنت وضو کیا، اور حضرت فاطمہ زہراؓ نے اپنے دست مبارک سے پوشاک فاخرہ مجھ کو پہنائی۔

اس واقعہ کے سبب سے طریق نبوت کے کمالات جلوہ گر ہوئے اور اسی طرح کے بہت معاملات عجیبہ اور واقعات غریبہ پے در پے ظہور میں آئے، یہاں تک کہ ایک روز حضرت معبود برحق قادر مطلق جل جلالہٗ عم نوالہٗ نے سید المجاہدین کا داہنا ہاتھ اپنی دست قدرت سے پکڑا، اور ایک چیز نہایت عجیب و غریب آپ کے سامنے کر کے فرمایا: یہ چیز تجھ کو عنایت کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی عطا کریں گے۔

## حصول نسبت مشائخ

مولانا اسماعیل شہید صراط مستقیم میں فرماتے ہیں۔

حضرت سید احمد صاحبؒ نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی توجہات سے جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بند کی مقدس روحوں نے حضرت کی ذات پر بنفس نفیس توجہ قوی، اور تاثیر زور آور فرماتے رہے، حتی کہ اسی ایک پہر میں حضرت کو ہر دو طریقہ سے نسبت نصیب ہوگئی۔

نسبت چشتیہ کا بیان اس طرح ہے کہ ایک روز حضرت سید احمد شہید حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب بختیار کا کی قدس سرہ کے مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے، اور ان کے مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے، اس اثناء میں ان کی روح پر فتوح سے ملاقات

متحقق ہوئی، آنجناب حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ فرمائی، اس توجہ کی وجہ سے نسبت چشتیہ کا ابتدائی حصول متحقق ہوگیا، اس کے ایک مدت کے بعد ایک روز مسجد اکبر آبادی میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، سب حاضرین مراقبہ میں حضرت کی توجہات سے مستفید ہورہے تھے، اس مجلس کے اختتام کے بعد حضرت نے فرمایا: کہ آج اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت سے بغیر کسی واسطہ کے نسبت چشتیہ کے اکمال سے سرفراز فرمایا، اس کے بعد آپ نے طریقہ چشتیہ کی تلقین وتعلیم میں بازوئے ہمت کھولا، اوراشغال کی تجدید فرمائی، جن پر یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے۔

# صراط مستقیم

صراط مستقیم حضرت سید احمد شہید کے ملفوظات و ہدایات کا مجموعہ ہے، سید صاحب کے فرامین کو مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا شاہ اسماعیل صاحب اپنے اپنے الفاظ و عبارات اور علمی اصطلاحات کے ساتھ لکھ لیتے تھے پھر سید صاحب اس پر نظر فرماتے تھے اور اصلاح و تصحیح کر دیتے تھے، یہ کتاب ۱۲۳۳ھ کی تالیف ہے، اور چار ابواب پر مشتمل ہے اس میں پہلا اور چوتھا باب مولانا شاہ اسماعیل شہید کا مرتب کیا ہوا ہے، دوسرا اور تیسرا مولانا عبدالحی صاحب کا تصنیف کردہ ہے، تصوف و معرفت اور اصلاح و تربیت باطنی کی کتابوں کے ذخیرے میں یہ کتاب اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے منفرد ہے، اور ایک انقلابی کتاب کہی جاسکتی ہے۔

اس کتاب کی پہلی طباعت میرٹھ کی ہے، پھر ۱۳۴۴ھ میں مطبع مجتبائی دہلی نے اس کو چھاپا، اس کا اردو ترجمہ دستیاب ہے، مگر اس میں اغلاط بکثرت ہیں اور مفہوم واضح نہیں ہے، اس کا نیا ترجمہ حال ہی میں مولوی ارشد ندوی نے کیا ہے، حج کے موقع پر جب حضرت امیر المؤمنین مکہ مکرمہ میں تھے تو اہل عرب کی خواہش پر سید صاحب نے مولانا عبدالحی سے اس کا ترجمہ کرا کر وہاں کے حضرات کو دیا، جس کا ایک نسخہ ٹونک کی لائبریری میں موجود ہے، غالباً اس پر بھی اب کام ہو رہا ہے اور وہ نسخہ بھی عنقریب منظر عام پر آئے گا۔

کتاب ہذا کے پہلے باب میں حب عشقی، حب ایمانی، طریق ولایت اور طریق نبوت کی تشریح اور باہمی فرق کو بیان کیا گیا ہے، اور ان کا طریق امتیاز، آثار و ثمرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جن کے پڑھنے سے اسلام کا پورا روحانی نظام سامنے آجاتا ہے۔

باب دوم میں بدعات سے بچنے کی تاکید، اطاعت کے طریقے، اور اخلاق کے مباحث ہیں، بدعات کے سلسلہ میں نہایت صفائی کے ساتھ اپنے دور کا جائزہ لیا گیا ہے، اطاعت کے تذکرے میں نماز و روزہ، حج و زکوۃ کے ساتھ ساتھ جہاد کی ترغیب و تحریض اور اس کے فوائد کا اظہار ہے، جو تصوف کی کتاب میں ایک غیر متوقع مضمون ہے۔

تیسرے باب میں سلسلہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ کے اذکار و تعلیمات ہیں، جن میں اجتہاد و تجدید سے کام لیا گیا ہے، اور ان کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور مفید بنا دیا گیا ہے۔

چوتھا باب طریق سلوک راہ نبوت کی تفصیل و تشریح پر ہے، جو سید صاحب کا الہامی مضمون ہے، اور جس کے آپ امام ہیں، یہ ایک مستقل طریقت اور سلوک ہے، جس کو آپ نے پورے طور پر مرتب اور مکمل کر دیا ہے۔ اس کتاب سے سید صاحب کی حکمت و بصیرت، سلامت فہم اور سلامت طبع ظاہر ہوتی ہے، اور آپ کے مسلک کا اعتدال، مختلف فیہ مسائل و مباحث میں افراط و تفریط سے پاک اور معتدل رائے سامنے آتی ہے۔ (سید احمد شہید)

# طریق سلوک راہ نبوت کے بیان میں

## اس باب میں چھ افادات ہیں

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کا ترجمہ کر کے اس کو سیرت سید احمد شہید کی پہلی طباعت میں شائع کیا تھا، اس کے بعد وہ ایڈیشن ناپید ہو گیا اور یہ باب دوسری طباعتوں سے ہٹا دیا گیا، اس کو پہلے ایڈیشن سے ہی نقل کر کے پیش کیا جا رہا ہے)

## قرآن ہی راہ نجات ہے

### افادہ (۱)

راہ نبوت کے طالب کو اخلاق و ملکات قلبیہ کی تہذیب اور عبادات شرعیہ کی ادائیگی کے بعد پہلی چیز جو لازمی ہے وہ مقام توبہ میں راسخ القدم ہونا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس طریق کے طالب کو چاہئے کہ منہیات شرعیہ کو خواہ وہ اعتقادات سے ہوں، خواہ اخلاق و ملکات کے جنس سے ہوں، یا عبادات میں افراط و تفریط کے قبیل سے ہوں، کتاب و سنت سے تنقیح و تفتیش کرے، اگر خود کتاب و سنت کا عالم ہے تو خود ورنہ علمائے محدثین سے دریافت کرے، اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو احسان اور اس کی جو تربیت اس ذرہ بے مقدار پر مبذول ہے اس پر بار بار غور کرے، اور اس کو ذہن نشین کرے، اور اس بے نیاز کی طرف اپنے کمال عجز و احتیاج کو پیش نظر رکھے، اس کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دل میں سوچے، کہ ایسے محسن حقیقی

کی ناخوشی ایسے عاجز بے مقدار کے حق میں کہ سرتاپا احتیاج دراحتیاج ہے، کس قدر مذموم و معیوب ہے اس خیال کو ذہن میں ایسا جاگزیں کرے کہ اس محسن کی ناخوشی کی اہمیت اس کے ایسی ذہن نشین ہوجائے کہ اس کا اگر تصور کرے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، پھر صمیم قلب سے اس کو ایسا قبول کرے کہ تمام منہیات شرعیہ کے تصور سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، اوران ممنوعات کی برائی اس کے دل ودماغ پر طاری ہوجائے اوراس کے دل میں ان منہیات کی طرف سے خوف اور دہشت بیٹھ جائے، یہاں تک کہ جان جانے کو ان منہیات کے صادر ہونے کے مقابلہ میں آسان سمجھے۔

## قرآن کی عظمت

اس کے بعد قرآن مجید کی عظمت کا تصور کرے اور دل سے سوچے کہ اللہ کی صفات ازلیہ میں سے ایک صفت ہے جس کو عالم امکان سے کوئی مناسبت نہ تھی، حضرت حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت سے زبان عربی کے لباس میں اس وصف ازلی اور کمال ذاتی کو نازل فرمایا، اوراس کو اپنے اور بندوں کے درمیان واسطہ بنایا، جس طرح کے ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار کو ہاتھ میں لے، اس کے ایک کنارے کو اپنے ہاتھ سے تھامے اور دوسرے کنارے کو ایک مفلس وعاجز فقیر بے مایہ کو تھمائے، جو ہرگز کسی التفات شاہانہ کے لائق نہ تھا اور حکم دے کہ جب کبھی تجھ کو ضرورت پیش آئے اس دستار کو حرکت دے کر مجھ کو اپنی ضرورت کی اطلاع دے، میں فوراً توجہ کروں گا، پس اگر اس فقیر کی حالت پر اچھی طرح سے غور کیا جائے تھوڑی دیر کے لیے قانون ادب سے آدمی ہٹ جائے تو صاف صاف کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ بظاہر فقیر کے ہاتھ میں دستار کا صرف ایک کنارہ ہے لیکن فی الحقیقت اس کے ہاتھ میں خود بادشاہ اوراس کی بادشاہت ہے، غرض اس کلام پاک کی عظمت اس کے ذہن میں ایسی راسخ ہونی چاہئے کہ جب وہ مصحف پر نظر کرے اوراس کلام پاک کے تعلق کا مصحف کے ساتھ لحاظ کرے، اس کی نگاہ اس مصحف کو دیکھنے سے خیرہ اوراس کا سینہ اس کلام کی عظمت سے پاش

پاش ہو جائے اور پھر جب وہ دیکھے کہ وہ کلام پاک اس مصحف کے واسطے سے میرے قابو میں ہے جس وقت توجہ کروں بے تکلف اس کو زبان پر جاری کرلوں، اور جس وقت ارادہ کروں بلا جان و مال صرف کئے ہوئے اپنے ہاتھ کو اس تک پہونچادوں اور اس کو اپنے سینہ پر رکھ لوں تو ضرور اس کو اس بات کا خیال کر کے اپنی حالت پر تعجب و حیرت ہوگی، جس طرح ایک یاقوت درخشاں ایک مفلس کم مایہ کے ہاتھ لگ جائے، جب وہ اس کو دیکھتا ہے تو اس کی چمک سے نگاہ خیرہ ہوتی ہے، جب اپنے افلاس و کم مائیگی پر نظر ڈالتا ہے تو حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔

## سچی توبہ کا پہلا قدم

جب اس کلام پاک کی عظمت اس کے ذہن میں جم جائے اور اس کلام پاک کے سبب سے بارگاہ الٰہی سے اپنے تعلق و ارتباط کی پختگی کو سمجھ لے تو توبہ کا عزم کرے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مبارک دنوں میں کسی دن مصحف پاک کو اپنے ہاتھ میں لے کر کسی تنہا جگہ پر جائے اور خدا کے سامنے زیادہ سے زیادہ الحاح و زاری کرے، اور کہے کہ

''بارخدایا! میں ہر طرح سے عاجز اور تو ہر طرح سے قادر ہے،
توبہ کہ راہ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھ کو نصیب فرما، میری نالائقی کو نہ دیکھ،
اپنی لاانتہا عنایات کو دیکھ، کہ لیاقت بھی تیرے ہی ہاتھ ہے''۔

چوں ساقی شوی در و تنگ ظرفی نماند
بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

اس کے بعد تکفیر سیئات اور توبہ کی حقیقت کے حصول کی نیت سے نہایت خضوع اور توجہ قلب سے صلاۃ التسبیح پڑھے، اور بیشتر ارکان صلاۃ میں اپنے دل کو تکفیر سیئات کی طلب کی طرف متوجہ رکھے، اس کے بعد حضرت حق کے انعامات اس کی ناخوشی کی بے حد برائی اور منہیات شرعیہ سے کمال تنفر کا خیال کرے، اگر باطن میں یہ حالت ظاہر ہو، اور دل و دماغ، فکر و خیال سب پر اس کا اثر نمایاں ہو تو خیر، ورنہ اس کام کو دوسرے روز پر اٹھا رکھے، اور دوبارہ

کرے یہاں تک کہ یہ حالت پیدا ہو، اور اس حالت میں کلام مجید کی عظمت اور اپنے اور رب العزت کے درمیان تعلق وارتباط کی پختگی کا لحاظ کرے، جب اس کلام پاک کی عظمت اور اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان اس کی وساطت سے اس کا سینہ مالا مال ہو جائے اور اس کلام پاک کی ملابست سے وہ باغ باغ ہو جائے، ایسی نگاہ جس میں اعلیٰ تعظیم قلبی شامل ہو، مصحف پاک پر ڈالے اور کہے کہ بارخدایا! میں نے تیرے اس کلام پاک کو تیرے حضور اپنا شفیع بنایا اور اس کو وسیلہ پکڑا، اور تیرے اس حبل متین سے اپنے کو مضبوط طریقہ پر باندھا، اس کے بعد فرائض شریعت کی پابندی اور منہیات سے اجتناب کا مجملا خیال رکھتے ہوئے یہ طالب جس کے لیے بلاضرورت رخصتوں سے تمسک بھی منہیات میں سے ہے توبہ کا عہد و پیمان کرے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ جس طرح ایک شخص کسی کام کے کرنے یا کسی چیز سے بچنے کا اپنے طور پر عہد کرتا ہے اور اس معاہدہ کو پختہ کرنے کے لیے محبوب ترین شئی کی قسم کا التزام کرتا ہے، مثلاً اگر مومن ہے تو حق تبارک وتعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اگر اس کے نزدیک محبوب ترین چیز اولاد یا مال یا آبرو یا اپنی جان ہوتی ہے اسی کی قسم کھاتا ہے، اگر عاشق ہے تو معشوق کی قسم کھاتا ہے، اس کے مؤکد قسم کھانے سے اس کام کے کرنے یا اس چیز سے بچنے پر اس کو خاص توجہ ہوتی ہے، اس کو عقد یمین کہتے ہیں، اسی طرح قوی توجہ سے کام لے کر قرآن مجید سے توسل کرتے ہوئے اپنی زبان سے کہے

> ''کہ بارخدایا! تیری عنایت پر بھروسہ کرتے ہوئے شریعت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرتا ہوں، اور جانب شرع کو نفس و مال، جان و آبرو، فرزند و عیال، استاد و پیر و آقا اور تمام مخلوقات کے جانب پر ترجیح دوں گا۔
>
> بارخدایا! میں محض عاجز ہوں، تیری مہربانی پر بھروسہ کر کے اس عظیم الشان کام کو اپنے ذمہ لیتا ہوں، بس اپنے کرم سے اس معاہدہ کو تکمیل تک پہونچا''۔

اس کے بعد ہمیشہ اس معاہدہ توبہ کی پابندی کی طرف توجہ ضروری ہے۔

## قرآن سے تعلق پیدا کرنا ضروری ہے

سمجھنا چاہئے کہ میں نے شہنشاہ برحق، قادر مطلق، عالم ظاہر و باطن، شدید العقاب اور سریع الانتقام کے حضور میں یہ معاہدہ کیا ہے، مبادا بال برابر اس سے تجاوز کروں اور عہد شکنی کا داغ ہمیشہ کے لیے اپنی پیشانی پر لگاؤں، جیسے کہ ایک شخص نے کسی بادشاہ عالی شان کی عدالت میں جو صاحب قدرت وانتقام ہے مچلکہ دیا ہو کہ فلاں کام کروں گا اور فلاں کام نہ کروں گا، ضروری ہے کہ اس کو حرکت وسکون قول وفعل میں اس مچلکہ کا خیال رہے گا، یعنی جب کبھی کسی کام کے کرنے یا کسی بات کے کہنے یا حرکت وسکون کا ارادہ اس کے دل میں آئے گا تو پہلے وہ اس کو اپنے میزان عقل میں تولے گا، کہ یہ اس نوشتے کے مطابق ہے یا مخالف ہے، اس کے بعد وہ اس ارادہ کو عمل میں لائے گا، نیز اس کو چاہئے کہ قرآن مجید کے ساتھ اپنے دل میں زائد خصوصیت اور قوی مناسبت مستحکم کرے، جیسے کہ ایک طالب علم کو اپنے شیخ کے ساتھ ہوتی ہے۔

مثلاً جو شخص طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ رکھتا ہو، اس کو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اعتقاد عظیم ہوتا ہے، اور جب یہ بیعت عمل میں آتی ہے تو اس کو سابق اعتقاد سے زائد مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اور اپنے تئیں آں جناب کے غلاموں کے زمرہ اور آپ کے حلقہ بگوشوں کی جماعت میں شمار کرتا ہے، اسی طرح سے قرآن کی عظمت کا اعتقاد اگرچہ ہر صاحب ایمان پر واجب ہے، لیکن اس طالب کو اس کلام پاک کے ساتھ دوسری ہی مناسبت حاصل ہے، اس کے بعد اسی توبہ کو کسی ایسے بزرگ کے ہاتھ پر جو کتاب وسنت کے اتباع اور بدعت سے اجتناب میں اس زمانہ میں اپنے معاصرین سے ممتاز ہو ظاہر کرے۔ قرآن مجید کو شیخ حقیقی اور اس بزرگ کو شیخ ظاہری سمجھے، اس بناء پر وہ قرآن کی اتباع کو اصل اور اس بزرگ کی اتباع کو فرع سمجھے گا، اور بخوبی ظاہر ہے کہ جب فرع واصل باہم متعارض ہوں گے، فرع

درجہ اعتبار سے ساقط ہوجائے گا، یہ مقام توبہ کی صورت ہے، جو اس طریق کے مناسب ہے، اور اس طرح سے معاہدہ توبہ میں بڑے بڑے فوائد ہیں۔

## توبہ کے فوائد

جس میں خاص فائدہ یہ ہے کہ اس سے توبہ میں استقامت حاصل ہوتی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ تجربہ صحیحہ سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہونچ گئی ہے کہ جس وقت کوئی طالب کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے، عنایت الٰہی اس بزرگ کی وجاہت کی برکت سے اس طالب کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ارتکاب معاصی کے مواقع اور ملابست منہیات کے مقامات سے انواع واقسام کے لطائف غیبیہ اور حیل قدسیہ کے ذریعہ سے اس کو باز رکھتی ہے، اور یہ بات دوطرح سے ہوتی ہے ایک اس طرح کہ وہ بزرگ وجاہت عنداللہ کے ساتھ کامل النفس، قوی التاثیر، صاحب کشف صحیح ہو، پس حق جلّ وعلا اس بزرگ کو اس طالب کے مواقع منہیات میں پڑنے سے مطلع کردیتا ہے اور اس کو معاصی کے ارتکاب سے باز رکھنے کا حکم فرماتا ہے، پس وہ بزرگ کسی تدبیر سے خواہ وہ خواب میں ہو خواہ بیداری میں، اس طالب اور ان قبائح کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ حق جلّ وعُلا اپنی عنایت سے جو اس کو اس بزرگ کے حال پر ہوتی ہے غیب الغیب سے کوئی نازک تدبیر بروئے کار لاتا ہے، جو اس طالب کی حفاظت کا ذریعہ بن جاتی ہے اور یہ تدبیر خفی کسی طرح سے اس بزرگ سے منسوب ہوجاتی ہے حالانکہ وہ بزرگ اصلا اس معاملہ سے واقف نہیں ہوتا، بلکہ اس تدبیر کا ظہور اس طرح پر کہ وہ بزرگ سے منسوب ہوجائے محض اس بزرگ کی وجاہت کے اضافہ کے لیے پردہ غیب سے ہوتا ہے، جیسے کہ منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا ہوئے اور وہ عاشقہ تباہ حال حصول وصال کی طامع ہوئی، حضرت یعقوب علیہ السلام دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے ظاہر ہوئے، اور اس سے تمام معاملہ درہم برہم ہوگیا، حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اصلا

حضرت یوسف علیہ السلام کے حال کی خبر نہ تھی، حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے، جاننا چاہئے کہ یہ دونوں وجوہ قرآن مجید میں اس طرح پائے جاتے ہیں کہ ممکنات میں سے کسی چیز میں اس طرح متصور نہیں،

## حقیقت قرآنی

اس لیے کہ حقیقت قرآنی ان امور قدسیہ میں سے ہے جو حقائق امکانیہ میں سے کسی حقیقت میں پائی نہیں جاتی، اس لیے کہ وہ واجب وممکن کے درمیان برزخ کی طرح ہے، اور اس کی وجاہت اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی ہے جس کا کسی کو ادراک ممکن نہیں، چہ جائے کہ اس کا حصول، کیوں کہ یہ کلام منجملہ صفات ازلیہ اور حضرت حق کے کمالات ذاتیہ کے ہے، اور جو تعلق صفات وذات کے درمیان ہے وہ ممتنع التصور ہے، پس ضروری ہے کہ حضرت حق کی توجہ اس طالب کی حفاظت کی طرف مکمل ترین طریقہ پر ہوگی خواہ پہلے طریقہ پر ہو، خواہ دوسرے طریقہ پر، یعنی اس طالب کی حفاظت اس طرح ہو کہ اس حقیقت قرآنی کی طرف سے کہ نور مقدس ہے طالب اور امور منکرہ کے درمیان کسی طریقہ پر خواب یا بیداری میں کوئی چیز حائل ہو جائے یا اس طرح کہ حق جلّ وعُلا بذات پاک خود ملائکہ عظام یا ارواح مقدسہ کے ذریعہ سے قرآن مجید سے توسل کی برکت سے طالب کی حفاظت کرے۔

# تلاوت قرآن اور اللہ کے انعامات کا مراقبہ

## افادہ (۲)

### قرآن کو تدبر کے ساتھ پڑھنا مفید ہے

جب طالب راہ نبوت مقام توبہ میں راسخ القدم ہوجائے اس کو لازم ہے کہ قدم ہمت ذکر ایمانی اور مراقبہ صمدیت میں راسخ کرے، ذکر ایمانی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید کے معانی لغویہ اور اذکار منقولہ وادعیہ ماثورہ کی تحقیق کرے، اگر خود فنون عربیہ سے واقف ہے تو خیر، ورنہ اس کو ان فنون کے محققین سے کہ معتبر اور اہل بصیرت ہوں، دریافت کرے، اور معانی لغویہ کے حاصل کرنے میں قدیم عربوں کی زبان کی طرف ہی التفات کرے، اور فنون ادب کے ان متعمقین کی موشگافی سے دھوکہ نہ کھائے، جنہوں نے اظہار فضیلت کے لیے خود کو محققین عربیت قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر کی راہ مقصود ماری ہے، کہ بدعت محض اور عمر کو لہو ولعب میں ضائع کرنا ہے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ میری بترکستان است

اذکار وادعیہ ماثورہ کے ساتھ زبان سے قرآن کی تلاوت مابین الجھر والاخفاء اکثر اوقات میں شروع کرے، جہر مفرط اور اخفائے مفرط بعض اوقات مفید ہوتا ہے، اور ان کا اعتبار چنداں مفید نہیں، جہر مفرط کی حد اذان وتلبیہ سے سمجھنی چاہئے اور اخفائے مفرط کی حد یہ ہے کہ آواز کان میں آئے اور اوسط کی حد یہ ہے کہ جیسے لوگ آپس میں اہل ادب وتمیز دار

لوگوں کی مجلسوں میں گفتگو کرتے ہیں، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ذکر ایمانی سے مقصود محض کثرت ذکر یا مجاہدہ نفس یا ضبط اوقات نہیں ہے، بلکہ اس سے مقصود اس حالت کا پیدا ہو جانا ہے، جس کا ذکر باب اول میں ہو چکا ہے پس جب وہ حالت پائی جائے تو اس کو ذکر ایمانی سمجھنا چاہئے، لیکن اگر وہ حالت پیدا نہ ہو تو وہ ذکر منجملہ ریاضات نفسانیہ کے ہے، ذکر ایمانی میں اتنی کثرت نہیں کرنی چاہئے کہ ذاکر کی طبیعت اکتا جائے اور آخر سستی و کاہلی پیدا ہو جائے، تدریجاً طبیعت کو اس کا عادی بنایا جائے۔

## مراقبہ صمدیت

اس مراقبہ کے اصول کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس قادر مطلق کی عجائبات قدرت کا ملاحظہ کیا جائے، لیکن فرحت و مسرت کا جوش اور اپنے قصور و احتیاج کا احساس اور حضرت حق کی عظمت کا انکشاف اور اس حکیم مطلق کی حکمت کا اذعان جو کہ مراقبہ صمدیت کا مرکز ہے، ابتداء میں مشترک احسانات اور روزمرہ کی تاثیرات سے نہیں ہوتا، مثلاً بارش کا ہونا، کھیتی کا اگنا، کہ ہر چند عظیم الشان احسانات میں سے ہے، لیکن چوں کہ اس احسان میں تمام افراد نوع انسانی شریک ہیں، اس لئے اس کا خیال کرنے سے ایک عام شخص کو وہ کیفیت جس کا بیان ہو چکا ہے نہیں پیدا ہوتی، اسی طرح آسمان و زمین کی پیدائش اور اجرام فلکی کا وجود اگرچہ قدرت ظاہرہ کی عظیم ترین نشانیوں اور حکمت باہرہ کے آثار اور عظمت قاہرہ کی علامات میں سے ہے، لیکن چوں کہ یہ چیزیں اکثر انسان کے پیش نظر رہتی ہیں، اس لیے ان چیزوں کو دیکھ کر اس کا ذہن حضرت حق کے کمالات کی طرف منتقل نہیں ہوتا، اس لیے طالب کو چاہئے کہ وہ مخصوص احسانات جو اس کے نفس یا اس کے ہم جنسوں پر ہوئے اور وہ عجائبات قدرت جو خلاف عادت ظہور میں آئے اور اسی طرح کی باتیں خیال میں لائے، اور وہ واقعات جو اس طرح کے مضامین پر مشتمل ہوں بار بار گوش و ہوش سے سنے، اور بار بار اپنے ذہن میں لائے اور وقتاً فوقتاً اپنے کو اس عظیم بالاستحقاق کے بحر عظمت اور اس منعم علی

الاطلاق کے بادیہ انعامات میں متحیر بنائے، کہ سررشتۂ مراقبہ صمدیت اس کے ہاتھ آئے۔

## مخلوق کے ساتھ حسن سلوک

جب مراقبہ صمدیت ذہن نشین ہوجائے اس کو ذکر ایمانی کے ساتھ شریک کرے، اگر ممکن ہوتو ذکر ایمانی کے درمیان میں مراقبہ صمدیت کرے، ورنہ کچھ وقت ذکر میں کچھ وقت فکر میں صرف کرے، ابتداء میں فکر کو ذکر سے اور مراقبہ صمدیت کو ذکر ایمانی سے اہم سمجھے، کچھ مؤیدات ہیں جن کے سبب سے ذکر وفکر کو رونق حاصل ہوتی ہے اور اس کے آثار قوت وسرعت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں، ان مؤیدات میں قوی تر اور سب سے بڑھ کر خلق اللہ خصوصا یتیموں، مساکین وفقراء کی خدمت، حاجت مندوں کی حاجت روائی، بیماروں کی خبر گیری اور عاجزوں اور لاچاروں اور ناامیدوں کی کار برآری وامداد ہے، ذکر وفکر پر مداومت کرنے سے سعادت دارین کے خزانوں کی کنجی یعنی حب ایمانی اس کے ہاتھ آجائے گی، اور اسی محبت کا حاصل ہوجانا ذکر وفکر کی تکمیل کی علامت ہے۔

# سالکین راہ نبوت کے اقسام

## افادہ نمبر (۳)

### راہ نبوت کا کمال

جب حب ایمانی اپنے کمال کو پہونچ جاتی ہے تو طالب کی توجہ کا طائر بلند پرواز اس طریق کی ظاہر ترین علامت اور اس راہ کی بلند ترین چوٹی پر آشیانہ بناتا ہے، یہ فنائے ارادہ ہے اور اسی کمال کا حصول حب ایمانی کی تکمیل کی علامت ہے۔

جاننا چاہئے کہ نفس کو ارادہ سے خالی کر دینا راہ نبوت میں بمنزلہ شغل نفی کے ہے، راہ ولایت میں یہ دونوں شغل ان دونوں طریق کے اصل الاصول ہیں، تشریح اس کی یہ ہے کہ سلوک راہ نبوت کا کمال شدت انقیاد اور علاقہ عبودیت کے استحکام سے عبارت ہے اور بخوبی ظاہر ہے کہ اپنے تئیں پتھر لکڑی بنا دینا مولیٰ کے ہاتھ میں اور اپنی لوح طبیعت کو ارادہ کے نقوش اور عزائم سے پاک کر دینا انتہائے انقیاد ہے، اور علاقہ عبودیت کے استحکام کے مراتب میں قوی ترین مرتبہ ہے۔

### غلام اپنے مالک کا پابند ہے

ہاں، بعض اوقات بعض اطاعت شعار غلام اپنی عقل و تدبر کی مداخلت سے ایک طرح کی وجاہت حاصل کر لیتے ہیں، لیکن اس وجاہت کا حصول اسی طور پر متصور ہو سکتا ہے، کہ غلام اپنے آقا سے زیادہ عاقل ہو، وہ آقا بعض چیزوں کا حکم دے اور یہ خیر خواہ و نصیحت

شعار غلام اپنے ذکائے فطرت سے جان جائے کہ اس حکم کی تعمیل سے آقا کے کارخانوں میں سے کوئی کارخانہ برباد ہو جائے گا پس اگر وہ غلام اس وقت تعمیل حکم پر اکتفاء کرے اور اپنی عقل وسمجھ کو دخل نہ دے، تو وہ ملامت وعتاب سے محفوظ رہے گا، اور معذور ہوگا، اور اگر بحکم عقل وفہم اس میں کچھ مداخلت کرے گا، اور اس مداخلت کے سبب سے آقا کے کاموں میں کوئی کام نہیں بگڑے گا پس اگر چہ شرعاً مستحق عتاب وملامت ہوگا لیکن آقا کے ساتھ اپنی خیر خواہی کی بدولت اپنے آقا کے یہاں مزید وجاہت حاصل کرے گا۔

لیکن جب بندگی کا یہ معاملہ ایک نادان وجاہل بندہ اور ایسے آقا کے درمیان ہو جو حکیم علی الاطلاق اور ظاہر و پوشیدہ کا جاننے والا ہے تو وہاں سوائے اطاعت اور تعمیل حکم کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا اپنے تئیں ہلاکت ونافرمانی میں مبتلا کرنا ہے۔

## چاہت کو فنا کرنا مقصود ہے

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا اس موقع پر ضروری ہے اور وہ ارادہ سے طبیعت کو پاک کرنے کے اقسام ہیں، پس جاننا چاہئے کہ اس کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم جو سالکین راہ ولایت کا مقصود ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ خواہش وارادہ یکسر فنا ہو جائے، تشریح اس کی یہ ہے کہ مقام فنا میں کمال رسوخ کی وجہ سے تمام اشیاء کی رغبت و خواہش باطل ہو جاتی ہے اور توحید افعالی کے انکشاف کے سبب سے عزم وارادہ کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، پس اس مقام کے لوگ اپنے تئیں دست تقدیر میں لکڑی یا پتھر سمجھتے ہیں اور جمادات کی طرح از خود رفتہ وخود فراموش ہو جاتے ہیں۔

دوسری قسم جو سالکین مبادئ راہ نبوت کا حصہ ہے اور یہ اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ کے ارادہ کے تابع کر دینے سے عبارت ہے، تشریح اس کی یہ ہے کہ وہ اقتضائے رغبت اور خواہش اور شہوت سے خالی نہیں ہوتے اور ان کا عزم وارادہ بالکل فنا نہیں ہو جاتا، بلکہ امور مرغوبہ کی رغبت اور امور مکروہہ سے نفرت پوری طرح موجود ہوتی ہے، لیکن رضائے مولیٰ کی طلب میں

اس اقتضاء ورغبت اور کراہت ونفرت پر اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر عمل نہیں کرتے، اور اپنے ارادہ کو اپنی طبیعت کے اقتضاء کے موافق استعمال نہیں کرتے، اور اس کو محض اپنے مولیٰ کی رضاء کی طلب میں اختیار کرتے ہیں۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو راہ نبوت کے مناصب عالیہ پر فائز ہو چکے ہیں، وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو اپنے مولیٰ کے حکم کے انتظار میں معطل کر دیتے ہیں، تشریح اس کی یہ ہے کہ چوں کہ اس راہ کے مناصب عالیہ پر پہونچنے والوں کو رحمت ربانی اور حکمت یزدانی کا انکشاف ہوتا ہے، اور وہ دل سے سمجھتے ہیں کہ جو بھی انسب اور اولیٰ ہوگا حکمت الٰہی اسی کا تقاضہ کرے گی، اور کسی انسب و اولیٰ کام کو وہ حکمت نظر انداز نہیں کرے گی، ہم جیسے مطیع غلاموں کو رحمت الٰہی مہمل و معطل نہ چھوڑے گی، بلکہ ہم غلاموں کے حق میں جو بھی انسب و اولیٰ ہوگا اسی کا ہم سے کام لے گی اور اسی کا ہم کو حکم دے گی، اس لیے اپنی عقل وارادوں کو خدائی کارخانے میں دخل دینا محض لغو و بیکار ہے، پس ہر وہ شخص جو اس جیسے حکیم ورحیم وعلیم آقا کے غلاموں کے زمرہ میں اپنے کو منسلک کر دے اس کا کام یہی ہے کہ اس کے کارخانہ میں اپنی عقل وارادہ کو دخل نہ دے، بلکہ اپنی نظر اپنے آقا کے چہرہ پر رکھے اس کے حکم کا منتظر رہے اور کسی خدمت معینہ کو اپنے آقا کی خدمات میں سے لازم اور اپنا شعار نہ سمجھے، بلکہ خدمتگار کی طرح دوام حضوری اور ملازمت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے آقا کے اوضاع واطوار سے اس کی مرضی سمجھ کر اس کی نگاہ کے روبرو رہے، اور ہمیشہ اس کے احکام کا منتظر رہے تاکہ آقا کی جانب سے جو حکم صادر ہو اس کی بجا آوری کے لیے وہ کمر بستہ ہو۔

# مراقبۂ عظمت

## افادہ (۴)

جب فنائے ارادہ کمال کو پہونچ جائے اور اس کے کمال کی علامت یہ ہے کہ طالب محدثین وشہداء کے زمرہ میں داخل ہوجائے تو مراقبۂ عظمت شروع کرے، اس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح سے سالکین راہ ولایت پہلے ملکۂ یادداشت یعنی حضرت حق کی دوام توجہ کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب یہ ملکۂ یادداشت طبیعت کی گہرائی میں جم جاتا ہے تو اس کو کسی صفت کے ساتھ ملاتے ہیں، مثلاً تمام کائنات کا احاطہ یا مظاہر متعددہ میں ظہور یا کثرت کونیہ کا صدور اس ذات منبع البرکات سے یا قرب ومعیت وجودیہ اس طالب کے ساتھ۔

### معیت الٰہی کا تصور

اسی طرح اس راہ نبوت کے طالب کو چاہئے کہ حصول ملکۂ یادداشت کے بعد صفت سلطنت وحکومت کو ملائے اور مضمون ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ ☆ ﴿وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ☆ ﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ کا لحاظ کرے، اور معیت و قرب الٰہی کو پیش نظر رکھے اور اس کی بساط سلطنت وحکومت کا آسمان وزمین، بحر وبر، آبادی اور ویرانی، بسیط ومرکب اپنے اندر وباہر پر پھیلا ہوا خیال کرے، پس جو حرکت وسکون اس سے

یا دوسرے سے صادر ہوتا ہے اس کو دیکھتے ہی دل سے یہ یقین کرے کہ حق تبارک وتعالیٰ اس کو جانتا اور دیکھتا ہے اور اپنے کو خلوت وجلوت میں اور تمام حالات میں تنہا نہ سمجھے، بلکہ یہ سمجھے کہ اس کی حالت اس شخص کی حالت کی طرح ہے جس کے ساتھ ہمیشہ ایک شخص رہتا ہے اور اس شخص کو اس سے تعلق پدری بھی ہے اور تعلق تربیت بھی، تعلق دوستی بھی ہے اور تعلق سلطنت بھی، تعلق آقائی بھی ہے اور تعلق استادی بھی، تعلق پیری بھی ہے اور تعلق محبت ومحبوبیت بھی ہے، اور محض قرب وجودی پر اکتفا نہ کرے یعنی محض اسی قدر نہ جانے کہ وہ شخص میرے ہمراہ ہے بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا اور سنتا اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کے اخلاص کو قبول فرماتا اور اس پر تحسین وآفریں کرتا ہے، اور عقبیٰ میں ثواب عظیم اور دنیا میں قرب ووجاہت عطا فرماتا ہے اور اس کو اپنے مخصوصین کے زمرہ میں شمار کرتا ہے اور نافرمان کی نافرمانی کو رد کر دیتا ہے اور اس پر لعنت اور نفریں بھیجتا ہے، اور عقبیٰ میں سخت سزا اور دنیا میں اس کو بعد وذلت نصیب کرتا ہے اور اس کو اپنے ناشکروں میں شمار کرتا ہے، بڑے گناہوں کو معمولی طاعات سے جن میں کمال اخلاص اور شدت انقیاد شامل ہوتا ہے معاف فرما دیتا ہے، اور جلیل القدر طاعات کو اس ادنیٰ معصیت سے جس میں خبث نفس اور مخالفت حق شامل ہو، اکارت کر دیتا ہے بالجملہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اس کی شان ہے تفصیلا اس مضمون کو ذہن میں رکھنا ضروری نہیں، حاشا وکلا تصورات عقلیہ سے کیا فائدہ؟ مقصود یہ ہے کہ اس طالب کا حال تمام احوال میں اس شخص کا سا ہونا چاہئے جو ایسے شخص کے ہمیشہ ہمراہ رہتا ہے جس کی صفات اوپر گذر چکی ہیں۔

## اللہ کا ہاتھ ہم سب کو تھامے ہوئے ہے

اسی طرح حضرت حق کی بساط سلطنت کے تمام کائنات پر پھیلے ہونے سے مقصود صرف یہ نہیں ہے کہ اس کو صرف ذہن میں تصور کر کے اذعان عقلی کرے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح آفتاب ریگستان کے ہر ہر ذرہ اور بحر ذخار کے ہر ہر موج میں چمکتا ہے اور دیکھنے والے کو ایک دریائے نور متلاطم الامواج نظر آتا ہے، اسی طرح فیض رحمانی کی تدبیر ہے جو تمام

کائنات پر محیط ہے، دنیا کے ذرات میں سے ہر ذرہ اس سے جلوہ گر ہوتا ہے اور علویات و سفلیات میں مجموعاً و فرداً فرداً ایک ہی تاثیر ظاہر ہوتی ہے اور زمین کے جس حصہ کے اوپر اور آسمان کے جس حصہ کے نیچے وہ کھڑا ہوتا ہے، اس کی حالت اس شخص کی طرح ہوتی ہے کہ ایک شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک دریائے زخار کے سامنے پانی میں لٹکا دیتا ہے جب وہ شخص دریا کو دیکھتا ہے اس کو قابل عبور نہیں پاتا، جب وہ ہوا کو دیکھتا ہے اس کو بھی اپنے بس سے باہر پاتا ہے، اور آسمان کو دیکھتا ہے تو اس تک پہونچنا بھی محال نظر آتا ہے، آخر کار اس آدمی کا ہاتھ ہی اس کو پناہ کی جگہ معلوم ہوتا ہے، پس وہ یقین کے ساتھ سمجھنے لگتا ہے کہ جب تک یہ شخص میرا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے مجھے نہ بحر زخار کی موجوں کا ڈر ہے نہ ہوا کے جھونکوں کا، اور اگر وہ شخص میرا ہاتھ چھوڑ دے تو کہیں میرا ٹھکانہ نہیں، جس موج پر میں گروں گا وہ مجھے غرق کر دے گی اس میں کسی موج کا امتیاز نہیں، اس خیال کے پختہ ہو جانے سے اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ شیر ژیاں یا پیل (فیل) مست اگر اس پر حملہ کرے یا کوئی دشمن اس کے حلق پر شمشیر برہنہ رکھ دے، اس حالت میں بھی وہ طالب دل سے سمجھے گا کہ جب تک حضرت حق اپنا دست حفاظت مجھ سے نہ اٹھائیں گے مجھے ذرہ برابر بھی کوئی نقصان نہیں پہونچے گا، خواہ کتنا ہی یقینی خطرہ ہو، اور اگر وہ حافظ مطلق دست حفاظت میرے سر سے اٹھا لے تو ایک حقیر چیونٹی اور ایک ذلیل مکھی بھی میرا کام تمام کر سکتی ہے۔

اس لیے اس طریقہ کے پیشواؤں نے جو اس مراقبہ کے خلاصہ پر فائز ہوئے، جیسے انبیائے کرام اور ان کے وارث جبار بادشاہوں کا اپنے اعوان و انصار کی قلت کے باوجود مقابلہ کیا، جیسے کہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ مشہور ہے، یہ نہ سمجھنا کہ اس طالب پر کوئی خوف یا اطمینان مہلکات کے اسباب کے قرب یا بعد کی وجہ سے اصلا طاری نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ بات لوازم بشریت سے بالکل نکل جانے سے ہو سکتی ہے، اور لوازم بشریت سے انسلاخ اس دنیا میں خصوصا طالبین راہ نبوت (جس کا خلاصہ فطرت انسانی کی تکمیل ہے) کے حق میں متصور نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ خوف یا اطمینان جس کا تعلق قلب سے ہے اور جو عقل و ہوش کو

پراگندہ کردیتا ہے ہلاکت کے اسباب کے قرب یا بعد سے اس طالب پر طاری نہیں ہوتا، بخلاف طبیعی خوف واطمینان کے، جو پیش آسکتا ہے اور آتا ہے۔

## خوف قلبی اور خوف طبعی

اس خوف قلبی اور خوف طبیعی کا نازک فرق بغیر مثال کے سمجھ میں نہیں آسکتا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ایک لکڑی ہاتھ میں لیتا ہے اور اس لکڑی کو اپنے بیٹے کی آنکھ کی طرف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیری آنکھ ہرگز نہ پھوڑوں گا، مجھے محض امتحان مقصود ہے تو جب تک کہ وہ لکڑی آنکھ سے دور رہے گی لڑکے کی حالت میں کچھ تغیر نہ ہوگا اور جب وہ لکڑی آنکھ کے قریب آئے گی تو کچھ نہ کچھ اس کی حالت میں تغیر ہوگا، اور اس کی آنکھیں اضطراراً بند ہوہو جائیں گی، حالانکہ اس کے دل میں لکڑی کے دور رہنے یا قریب آنے میں کوئی فرق نہیں، اس لیے کہ وہ قطعی طور پر جانتا ہے کہ اس لکڑی کا نقصان خواہ وہ دور ہو یا قریب، ہرگز مجھ کو نہیں پہونچے گا، لہذا اضطراب قلب اور تشویش اس کو پیدا نہیں ہوگی، اور اندھے ہوجانے کا خیال بھی اس کو نہ آئے گا، مگر جب لکڑی قریب آئے گی تو اس کی آنکھ خود بخود بند ہوجائے گی، اسی طرح سے یہ طالب صادق تمام کائنات کو حضرت حق کے ہاتھ میں لکڑی یا پتھر کی طرح سمجھتا ہے اور تمام موجودات کو اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں جانتا ہے، مگر امور ضارہ ونافعہ کے قرب وبعد کی وجہ سے اس کو طبعی خوف یا اطمینان پیدا ہوتا ہے، کیا تم نے قرآن مجید میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ نہیں پڑھا کہ آں جناب علیہ السلام نے اپنی کبرسنی اور اہلیہ کی عقم کے باوجود جناب واہب العطیات سے فرزند سعادت مند کی درخواست کی، اور اثنائے طلب میں آں جناب علیہ السلام کو ان موانع کے باوجود فرزند عطا ہونے میں کوئی استبعاد نہیں ہوا، ورنہ یہ دعا اس طرح دل سے نہ نکلتی، لیکن جس وقت غیب سے فرزند کی بشارت پہونچی آپ کی زبان سے کلمۂ استبعاد صادر ہوا، ﴿أَنّیٰ یَکُونُ لِیْ غُلَامٌ وَکَانَتِ امْرَأَتِیْ عَاقِراً وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیّاً﴾۔

# مراقبۂ الوہیت

## افادہ (۵)

''جب مراقبۂ عظمت اپنے کمال کو پہونچ جائے اور اس کے کمال کی علامت یہ ہے کہ روح کو توکل حاصل ہوجائے، اور بعض ارباب کمال اس مقام میں اہل خدمات کے زمرہ میں بھی داخل ہوجاتے ہیں، تو مراقبۂ الوہیت شروع کرے''۔

اور اس کی تشریح یہ ہے

# اخلاق الٰہی کا پرتو

## شان حلم وعفو

حق تبارک وتعالیٰ کی بیشمار شانیں ہیں، منجملہ ان کے ایک شان حلم بھی ہے کہ مخالفین کی شدت مخالفت کے باوجود ان کے مواخذہ میں تعجیل نہیں فرماتا، انہیں میں سے ایک شان عفو ہے کہ ہر چند نافرمان بدترین برائیاں اور بدترین نافرمانیاں کرتے ہیں، لیکن جس وقت وہ اس کی چوکھٹ پر جبین نیاز رکھ دیتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرتے ہیں، ضرور وہ رحیم مطلق اس کے جرائم سے درگذر فرماتا ہے، اور اپنے دامن رحمت میں بکمال عنایت و مہربانی اس تائب کی پرورش کرتا ہے، اور اس جرم قبیح کو نسیاً منسیا کر دیتا ہے، اور تعذیب کو تنعیم کے ساتھ بدل دیتا ہے۔

## فیض عمومی

اسی طرح ان کی ایک شان فیض عمومی ہے، جیسے بارش کا نازل کرنا، کھیتی پیدا کرنا، اور اسی طرح کہ کامل وناقص، فرماں بردار و نافرمان، مکلّف وغیر مکلّف اس میں شریک ہوتے ہیں، اور دریائے رحمت سے یکساں سیراب ہوتے ہیں ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

## شان وسعت

ان کی ایک شان وسعت ہے کہ انسان کے نفس کاملہ میں وسعت حوصلہ اس کا نمونہ ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح کہ بعض مکمل بشری نفوس فراخی سینہ میں اعلیٰ مرتبہ میں

ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم، مختلف معاملات، متعدد کارخانوں سے دل تنگ اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے، بلکہ ہر معاملہ پر توجہ مبذول رکھتے ہیں، اور ہر کام کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں، اور ہر کارخانہ کو جیسا کہ اس کے لائق ہے چلاتے ہیں، نہ اتنی زیادتی کرتے ہیں کہ ایک ہی کارخانہ میں محو ہو جائیں اور دوسرے کارخانہ کو تباہ کر دیں، یا اس کارخانہ کے لوگوں کو اتنا تسلط دے دیں کہ دوسرے کارخانہ والے رعایا کی طرح ان کے ہاتھوں میں مجبور ہو جائیں، اور ان کو بھول جائیں، اور نہ اتنی کمی کرتے ہیں کہ وہ کارخانہ بے رونق ہو جائے، اور اس کے متعلقین چادر مذلت اوڑھ کر زاویہ خمول اور تعطیل میں بیٹھ رہیں، اور اسی طرح لوگوں سے ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں، مختلف الاستعداد، مختلف الطباع، متغائر الحاجات والأغراض اشخاص میں سے ہر ایک کے ساتھ اس طرح سے پیش آتے ہیں جیسے اس کے لائق ہوتا ہے، اور اس سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جو اس کے پیمانۂ استعداد کے مطابق ہوتا ہے، اور اس کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے کہ جو تعلق اور خصوصیت مجھ سے ہے وہ ایسے شخص سے بھی نہیں ہے، جو باعتبار خدمت ومرتبت کے مجھ سے ارفع واعلیٰ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وسعت حوصلہ کے مطلب کا اچھی طرح تصور کرنا چاہئے، اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ جو فرق خدائی کارخانہ اور ان نفوس کاملہ کے کارخانہ میں ہے، وہی فرق وسعت الٰہی اور ان اکابر کے وسعت حوصلہ میں ہے، جو شخص وسعت الٰہی کا مطلب اچھی طرح سمجھ لے وہ جس قدر رنگا رنگ کارخانوں اور گوناگوں معاملات پر نظر کرے گا، اسی وقت وسعت الٰہی کا پھیلاؤ اس کے ذہن نشین ہوگا۔

## شان بے نیازی

ان کی ایک شان دشمنوں کی دشمنی سے بے پرواہی بھی ہے، اسی لیے کہ حضرت حق کے یہ دشمن اور اس جواد مطلق کے یہ ناشکرے واحسان فراموش اور اس منعم حقیقی سے ضد کرنے میں اور اس مالک حقیقی کے احکام کی مخالفت، شریعتوں سے مقابلہ اور انبیاء کی تحقیر

کرنے میں کیا کیا کوششیں نہیں کرتے، لیکن وہ منبع جود وکرم اپنی سخاوت وفیض کا دروازہ ان بدبختوں پر بند نہیں کرتا، اور اپنی حمایت و پرورش کے دامن سے ان کو نہیں نکالتا، بلکہ اگر بطریق تادیب ایک طریقہ سے ان سے مواخذہ فرماتا ہے، تو ہزاروں طریقوں سے ان پر پے درپے نعمتیں نازل فرماتا ہے،

## شفقت کی مثال

مختصر یہ کہ اس دنیا میں اس کی دارو گیر وسرزنش بھی اکثر اوقات ایک مشفق باپ کی اس تادیب کی طرح ہوتی ہے، جو وہ اپنے نافرمان لڑکے کی کرتا ہے کہ اگر چہ وہ شفیق باپ انتظام وتربیت کے لیے نافرمان لڑکے کی گوشمالی کرتا ہے، لیکن عین اس سرزنش اور تادیب میں خیر خواہی وشفقت پدری پوشیدہ ہوتی ہے، وہ اس کو بالکل برباد نہیں کر دیتا، اگر چہ یہ نفس تادیب خود شفقت وتربیت کی ایک قسم ہے، لیکن اس مقام پر مقصد یہ ہے کہ یہ تادیب وہ اس طرح سے نہیں کرتا، کہ وہ نافرمان لڑکا برباد ہو جائے بلکہ ہر دارو گیر اور ہر سرزنش میں اس کی نیت اچھی ہوتی ہے۔

اگر وہ ناشکرا اس مواخذہ سے کسی طرح بچ جائے اور اپنی ناشکری پر نادم ہو تو ہلاکت سے اس کو راہ نجات مل سکتی ہے، ان تمام شانوں کی اصل علو ذاتی ہے، کہ اس کا پرتو نفوس کاملہ پر پڑتا ہے اور علو ہمت کہلاتا ہے، کیوں کہ جو شخص علو ذاتی کے اعلیٰ مرتبہ میں ہوتا ہے، وہ دنیا کے ان ذلیل امور کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان افکار کے ہجوم سے اس کے دل میں تشویش پیدا ہو، یا اس کے معاملات میں تزلزل نمایاں ہو، اس لیے کمینوں کے سب وشتم سے عالی ہمت بادشاہوں کے دل میں انتقام کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اور وہ اس کو خس وخاشاک کا غبار سمجھتے ہیں، اور ان کو قابل انتقام نہیں خیال کرتے مختصر اس علو ذاتی الٰہی کو باعتبار انشراح کے ان شانوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جن کا اوپر ذکر ہوا، اور عالم امکان میں قانون حکمت کے اقتضاء سے ان شانوں کے آثار کے ظہور کے اعتبار سے اس کو الوہیت کہا جاسکتا ہے،

الوہیت کو ایک درخت کی طرح سمجھنا چاہئے، اور علو ذاتی کو بمنزلۂ تخم کے اور ان ذکر کی ہوئی شانوں کو بمنزلۂ شاخ و برگ کے اور عالم امکان میں ان کے آثار کے ظہور کو بمنزلۂ ثمرہ کے سمجھنا چاہئے۔

## طالب راہ نبوت کے اخلاق

پس طالب راہ نبوت کو مراقبۂ عظمت کے آثار کے ظاہر ہونے کے بعد لازم ہے کہ مراقبۂ الوہیت شروع کرے، مراقبۂ الوہیت سے مقصود محض الوہیت کے مطلب کا تصور نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کمال کا تصور کر کے اپنے نفس کے آئینہ میں اس کے انعکاس کے طالب بنیں، کہ "تخلقوا بأخلاق اللّٰہ" میں اسی طرف اشارہ ہے، اور جب کبھی معاملات مذکورہ میں سے کوئی معاملہ پیش آئے، مثلاً کسی جماعت کی سرداری ملے، یا مختلف و متفرق معاملات اس پر ہجوم کریں، یا کوئی مخالف اس کی مخالفت کرے، الوہیت کا مطلب یاد کر کے اس شان الٰہی کے مطابق محض تشبیہا باللہ عمل کرے۔

مختصراً اس کا حال اس شخص کا سا ہونا چاہئے کہ نشست و برخاست، جامہ ولباس اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں محبوب کی وضع اس کے دل و دماغ میں بس گئی ہے اور تمام جسم میں رچ گئی ہے، جب وہ یہ بات کرنے لگتا ہے تو اسی کی ڈھپ آجاتی ہے، جب وہ چلتا ہے تو چلنے میں بھی محبوب کی شباہت آجاتی ہے، اسی طرح سے اخلاق الٰہی مراقبہ کرنے والے کی طبیعت کی گہرائی میں بیٹھ جانے چاہئیں۔

# مراقبوں کے اثرات

## فائدہ

جاننا چاہئے کہ مراقبوں کے آثار تین طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

ا:۔ ایک تو یہ کہ طالب جس چیز کا مراقبہ کرتا ہے اس کے لوازم اس کی طبیعت میں ظاہر ہو جاتے ہیں، جیسے کہ ایک کریم النفس شخص غذائے لطیف کھا رہا ہو اور ایک مفلس بھوک کا مارا اس پر نظر لگائے ہوئے ہو، تو ضروری ہے کہ وہ کریم النفس اس کھانے کا ایک لقمہ اس مفلس کو بھی دے دے گا، اسی طرح جب طالب حق اپنے دیدۂ بصیرت کو فرط طلب اور کمال خواہش کے ساتھ خداوندی شانوں میں سے کسی شان مثلاً عظمت یا الوہیت یا معاملات ربانیہ میں سے کسی معاملہ پر لگا دے گا، تو وہ کریم مطلق ان شانوں کے لوازم اور اس معاملہ کے آثار میں کچھ نہ کچھ طالب کی استعداد کے مطابق اس کی طبیعت کے اس آئینہ میں جو نامرضیات حق کے زنگ سے صاف ہے منعکس کر دے گا مثلاً.....

☆ اگر اس نے مراقبۂ عظمت کیا ہے تو اس کو ملأ اعلیٰ میں کچھ وجاہت اور بعض کائنات پر کچھ اقتدار و حکومت حاصل ہو جائے گی۔

☆ اگر اس نے مراقبہ الوہیت کیا ہے تو اس کو فراخ حوصلگی اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی طاقت اور عفو و حلم کا ملکہ نصیب ہو جائے گا۔

☆ اگر اس نے مراقبہ خلت کیا ہے تو خلت (محبت و دوستی) کے معاملات میں سے

بعض معاملات مثلاً مکالمہ وسرگوشی ظاہر ہوگی۔

۲:۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس طالب کے لیے ملأ اعلیٰ، ملأ سافل، ارواح مقدسہ اور صلحائے بنی آدم کے قلوب میں قبولیت پیدا ہوجاتی ہے۔

۳:۔ تیسرا طریقہ نوافل وعطایا کا ہے، جیسے کہ ایک مفلس لذیذ کھانوں اور مزیدار پھلوں اور میووں اور نفیس لباسوں پر نظر لگائے رہتا ہے، اور انہی چیزوں کے حصول کا متوقع رہتا ہے، اور ان اشیاء کا مالک کچھ ان میں سے بھی دیدیتا ہے اور کوئی دوسری چیز جو ان چیزوں میں سے نہیں ہوتی، لیکن اس مفلس کے مناسب حال ہوتی ہے اس کو ارزانی فرماتا ہے، مثلاً اگر اس شخص کی کھانے ہی میں نیت لگی ہے تو اس کو کھانے کا بھی ایک لقمہ دے دیتا ہے، اور اس کے سوا کچھ نقد بھی دیتا ہے، تاکہ وہ اپنی ضرورتیں پوری کرے۔

بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ شخص اس مطلوب شیٔ کی لیاقت نہیں رکھتا، مثلاً بیمار ہے اور لذیذ فواکہ کی خواہش رکھتا ہے، پس ضروری ہے کہ ان فواکہ کا مالک اس کو بجائے فواکہ کے کوئی کلاہ یا قبا دے کر تسلی دے، ان عطیات کو جن کے حصول کی توقع نہیں ہوتی ہم نوافل عطایا سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح سے جب طالب حق خدا کی شانوں میں سے کسی شان یا اس کے معاملات میں سے کسی معاملہ کا مراقبہ کرتا ہے، تو نوافل عطایا سے مشرف ہوتا ہے اور اس مراقبہ کے ثمرات کے حصول کے ساتھ یا بغیر ان کے حصول کے ان نوافل عطایا کا کسی قاعدہ یا قانون عقل کے جس کا عقول بشریہ ادراک کرسکے مطابق ہونا ضروری نہیں، اس لیے کہ عطیۂ نافلہ کا تعین اس مراقبہ یا اس کے آثار کے مناسب نہیں ہوتا، بلکہ طالب کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص فطرتاً ذکی العقل پیدا ہوا ہے، اور راہ نبوت کی طلب کے اثناء میں اس نے مراقبہ عظمت کی مزاولت کی ہے بس اس کے آثار مرتب ہوں یا نہ ہوں، لیکن ذکاوت ذہن کی ترقی اور علوم مرضیۂ حق میں فہم کی قوت اس کو حاصل ہوگی۔

اسی طرح اگر طہارت فطرت پر پیدا ہوا ہے تو عبادات کی توفیق اور تقویٰ کا ملکہ اس کو حاصل ہوگا، اگرچہ یہ امور مراقبہ عظمت کے آثار سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے، اسی وجہ سے راہ

حق کے اکثر طالبین اس طریق کے اعمال واشغال کی مزاولت کرتے ہیں، اور چوں کہ اس کے آثار کما حقہ اپنے میں نہیں دیکھتے، اس لیے صدائے محرومی بلند کرتے ہیں اور یاس وناامیدی کے کلمات ان سے صادر ہوتے ہیں، حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ شاید انہیں اعمال واشغال کی برکت سے کوئی دوسری بات امور مقبولہ عنداللہ میں سے جو ان اعمال واشغال کی جنس میں سے نہیں ہے ان کو حاصل ہوئی ہو، اور اس کے اور ان اعمال واشغال کے درمیان عدم مناسبت کی وجہ سے ان کے ذہن میں وہ بات نہ آتی ہو۔

اسی طرح سے اس راہ کے بعض طالب جو گذشتہ اہل کمال بزرگوں کے واقعات سنتے ہیں کہ فلاں بزرگ کو فلاں شغل وعمل سے فلاں کمال حاصل ہوا تھا، وہ خود اس شغل وعمل کو کرتے ہیں لیکن اس کمال کا کوئی اثر نہیں پاتے، وہ حیران ہوتے ہیں، کبھی ان واقعات کی تکذیب کی جراءت کرتے ہیں، کبھی سمجھتے ہیں کہ اس عمل کے شروط وارکان میں کچھ کمی رہ گئی ہے، یا بے قاعدگی ہوگئی ہے، شاید وہ عمل دوسرا تھا اور یہ دوسرا ہے، اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کمال نوافل عطایا کی جنس سے تھا نہ کہ اس عمل کے آثار میں سے۔

**واللہ أعلم بالصواب وهو الهادي الى طريق الرشاد**

# مراقبۂ الوہیت کے آثار

## افادہ (۶)

جب مراقبہ الوہیت اپنے کمال کو پہونچ جاتا ہے اور اس کے آثار بیش از بیش ظاہر ہوتے ہیں اور طالب کو مقام تکمیل وکمال عطا ہوجاتا ہے اور خلافت من اللہ کا مرتبہ اس کو نصیب ہوتا ہے اس وقت بعض اکملین کو ایسا مقام حاصل ہوتا ہے کہ خلعت تحریر وتقریر اس کے قد تصویر پر نازیبا وکوتاہ ہے، یہ مقام مقام انکشاف وجہ اللہ ہے، اور آیت ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے، اگرچہ اس مضمون کی وضاحت تقریر وکلام سے بہت مشکل ہے ع

لذت مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

لیکن اس کا تخیل اگرچہ ناقص ہو، ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔

### اللہ کا نور ہدایت

اس کی تشریح یہ ہے کہ امور محسوسہ ومغیبہ میں سے ہر امر کا ادراک اسی کے مثل کی وساطت سے ہوسکتا ہے، مثلاً انوار شہادیہ کا احساس نور بصارت سے ہوسکتا ہے، اسی طرح سے تمام عوارض جسمانیہ محسوسہ کا ادراک انہیں آلات جسمانیہ ظاہرہ سے ہوسکتا ہے، جن کو حواس کہتے ہیں، اسی طرح سے عالم مثال کا ادراک اس قوت خیال سے ہوسکتا ہے جو انسان کے قالب میں اس عالم کا تمثال ہے، جو تجرد وتعلق کے بین بین ہے، ان کا تصور اس قوت

واہمہ سے ہوسکتا ہے، جو بین العقل والحواس ہے، اسی طرح کی کلیات عقلیہ اور جزئیات مجردہ کا ادراک اس قوت عاقلہ سے ہوسکتا ہے جو تجرد و بساطت میں ان امور کی مماثل ہے، اسی پر باقی لطائف انسانیہ کو قیاس کرنا چاہئے، مثلاً تجلی اعظم اور حقائق ملأ اعلیٰ کا ادراک لطیفۂ سر سے اور وجود منسبط کا ادراک لطیفہ خفی سے ہوسکتا ہے، جو حقیقت جامعہ انسانیہ کا لب لباب ہے اور اس کو دل کہتے ہیں، پس سمجھنا چاہئے ذات بے کیف و چون و چگوں و بے شبہ و بے نمون تمام تجلیات سے بلند و بالا ہے، یہاں تک کہ اس تجلی اعظم سے بھی جو تمام تجلیات کی اصل ہے، اور تمام تنزلات سے معرّیٰ، یہاں تک کہ وجود منسبط سے بھی، جو تمام تنزلات میں سب سے زیادہ شامل و جامع ہے اور ہر صفت میں تمام موجودات کی مماثلت سے منزہ ہے۔

تو اس مرتبہ ذات کا تصور کہ جس کو مجہول مطلق اور ممتنع التصور کہتے ہیں، بجز نور قدسی الٰہی کے ممکن نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے" ان اللّٰہ خلق خلقه فی ظلمة فألقیٰ علیهم من نوره ، فمن أصابه من ذلك النور اهتدیٰ، ومن أخطأه ضل "۔(مسند احمد، سنن نسائی، مستدرک حاکم) پس اللہ تعالیٰ نے اسی نور قدسی کو سعداء کے عقول میں ابتدائے فطرت میں ودیعت کیا ہے، نور حق کا وہ قطرہ بمنزلہ اس نور بصارت کے ہے، جو مجمع النور میں پوشیدہ ہے اور جیسے کہ بینائی کا سبب درحقیقت وہی نور ہے اور تمام پردہائے چشم بلکہ خود جرم چشم اس کے قوالب ہیں، اور تمام ظاہری روشنیاں جیسے چراغ، شمع، آفتاب و ماہتاب کی روشنی اس کی مؤیدات میں سے ہے، اس لیے کہ اگر اس نور بصارت کو مجمع النور میں ودیعت نہ رکھا جاتا تو یقیناً اس شخص کا شمار نابیناؤں میں ہوتا اور نابینا کو جرم چشم اور انوار ظاہرہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، پس اگرچہ عوام الناس ظاہر نظر میں یہی خیال کرتے ہیں کہ ہم آنکھ یا آفتاب یا ماہتاب کی روشنی کی وساطت سے دیکھتے ہیں، لیکن اگر وہ غور کرے تو ان کو معلوم ہوگا کہ آلۂ بصارت درحقیقت وہی نور بصارت ہے، لیکن چوں کہ وہ نور آنکھ کے راستے سے آتا ہے اس لیے اس سببیت کی نسبت آنکھ کی طرف بھی کرسکتے ہیں، اور چوں کہ انوار ظاہرہ اسی نور بصارت کے مؤید ہیں اس وجہ سے ان انوار کو بھی اسباب

بصارت کہہ سکتے ہیں، حالانکہ خود ان انوار کا ادراک اسی نور کی وساطت سے ہے، چہ جائیکہ دوسری چیزوں کا ادراک۔

اسی طرح سے ذات بحت کے ادراک کا آلہ اور توجہ الی اللہ کا سبب وہی قطرۂ نور قدسی ہے کہ ارواح کے ظہور کی ابتداء میں اہل سعادت کے نصیب میں آیا، اور اجسام کی خلقت کے بعد لطیفہ عقل کی تہہ میں پوشیدہ ہوگیا، اور اس کی شعاع انسان کے باطنی لطائف میں رنگا رنگ انواع اور گوناگوں الوان کے ساتھ ظاہر ہوئی، جس طرح سے کہ آفتاب کی شعاع بسیط مختلفۃ الالوان والأشکال شیشوں میں ظاہر ہوتی ہے، اور انوار قاہرہ غیبیہ کے ساتھ ظاہر ہوئی، مثلاً کتب سماویہ کے نزول، انبیائے کرام، علمائے ذوی الاحترام اور اولیائے عظام کے وجود کے ساتھ اس نے انبساط وانشراح پایا۔

یہ بات نہیں ہے کہ یہ انوار غیبیہ نفس انسانی میں اس نور قدسی کے ظہور کا سبب ہے، بلکہ وہ نور قدسی ازل الآزال سے نفوس میں ودیعت ہے اور یہ انوار غیبیہ اس کے انبساط و انشراح کا سبب بن جاتے ہیں، پس اگرچہ سالکان راہ ولایت اور طالبان راہ نبوت ابتدائی حالات میں خیال کرتے ہیں کہ حق جل وعلا کا ادراک لطیفہ قلب یا لطیفہ سر یا لطیفہ خفی وغیرہ سے حاصل ہوا ہے، یا آسمانی کتابوں کے نزول اور انبیاء واولیاء کے وجود سے ہم کو توجہ الی اللہ حاصل ہوئی ہے۔

## حجر بحت

لیکن حقیقت یہ ہے کہ توجہ الی اللہ کا حقیقی سبب وہی نور قدسی ہے جو ازل الآزال سے ان کے حصہ میں آیا تھا اور اس نے تمام لطائف باطنہ کو رونق بخشی اور کتب وانبیاء کی حقیقت اسی نور کے سبب سے ان کے ذہن نشین ہوئی، لہذا جو شخص ازل الآزال میں اس نور سے محروم رہا، جیسے ابوجہل وابولہب، اس کے حق میں یہ انوار قاہرہ عظیمہ اور لطائف باطنہ انسانیہ کچھ مفید نہیں، اور ایک مادرزاد اندھے کی طرح وہ عین روز روشن میں ٹھوکر کھائے گا اور

گرے گا، ہاں اتنی بات ہے کہ اس نور قدسی کی شعاع ان لطائف انسانی کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے اور لطائف کے اختلاف کے مطابق اس میں تفاوت عظیم ہوتا ہے، اور وہ ہر لطیفہ میں توجہ الی اللہ کی خاص قسم اور تجلیات ربانیہ کا مخصوص انکشاف اور حضرت حق کے معارف کے خاص آثار جو اس لطیفہ کے مناسب ہوتے ہیں بخشتی ہے، اور دوسرے لطیفہ میں ان چیزوں میں سے کوئی دوسری چیز پیدا کرتی ہے اس لطیفہ نورانیہ کو ہم حجر بحت سے موسوم کرتے ہیں، اس حجر بحت کو عقل کے جگر میں اس طرح تصور کرنا چاہئے جیسے مختلف الالوان شیشوں کے پردے میں ایک چراغ روشن ہو۔

جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا، تو اب جاننا چاہئے کہ جس طرح سے کہ اجرام علویہ کے انوار رات کے وقت نمایاں ہوتے ہیں اگرچہ دراصل وہ آفتاب کی روشنی ہے جو ان کواکب کے اجرام صیقلیہ میں منعکس ہو کر مختلف رنگوں اور گونا گوں لباسوں میں ظاہر ہوتی ہے، لیکن جب آفتاب افق سے طلوع ہوتا ہے تو تمام انوار مختلفہ آفتاب کے نور بسیط میں ماند پڑ جاتے ہیں اور تمام علویات وسفلیات کے بساط پر ایک یک رنگی نورانی چادر تن جاتی ہے، اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ آفتاب کی اس روشنی کے مراتب انعکاس اس کے مرتبہ اصلی میں ماند پڑ جاتے ہیں اور اس وقت فرع واصل ایک ہو جاتے ہیں، اسی طرح جب نفس کاملہ کا حجر بحت سے بے پردہ سابقہ پڑتا ہے، تو حجر بحت کی ایک شعاع مقدس اٹھتی ہے اور تمام لطائف کو اپنا ہم رنگ بنا دیتی ہے، اور اس سالک کے پورے باطن کو سرتاپا حجر بحت کر دیتی ہے جیسے کہ کسی شخص کے تمام بدن میں نور بصارت سرایت کر جائے، اور اس کا تمام جسم نرگس کی طرح دیدہ وا ہو جائے۔

یہ حالت اس حالت سے مختلف ہے جو راہ ولایت کے سالک کو مبادئ سلوک میں پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے اور تمام بدن اس میں گم ہو جاتا ہے، بس اس کا پورا وجود قلب ہو جاتا ہے، اس لیے کہ یہ حالت حجر بحت کے انبساط کے مقابلہ میں دریائے اخضر کے مقابلہ میں قطرۂ کا حکم رکھتی ہے، اس لیے کہ اس حالت کی غایت یہ ہے کہ

سالک کا تمام وجود تجلیٔ قلبی کا آلۂ ادراک ہوجاتا ہے، اور اس حالت کا مآل یہ ہے کہ اس صاحب کمال کا پورا باطن ذات بحت کی ادراک کا واسطہ بن جاتا ہے، اور دونوں میں بڑا فرق ہے، وہ شخص جس کا تمام وجود قلب ہوگیا ہے اس شخص کے مقابلہ میں جس کا تمام باطن حجر بحت ہوگیا ہے کیا حیثیت رکھتا ہے۔

جب کوئی کامل شخص اس مقام کو پہونچ جاتا ہے تو وہ امور جو دوسروں کے لیے باعث کدورت وانقباض ہوتے ہیں، اس شخص کے باطن میں ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا، جیسے کوئی شخص علوم دقیقہ کی مزاولت رکھتا ہو، اور اس کے تمام کاروبار کا تعلق قوت عاقلہ سے ہو تو وہ امور جو حواس ظاہرہ کی کدورت کا باعث ہوتے ہیں، مثلاً آنکھ کے سامنے پردہ کا آجانا، یا کانوں میں روئی رکھ لینا وہ اس کے کام میں کچھ خلل انداز نہیں ہوسکتے، اس مقام کی جتنی تصویر تحریر وتقریر کے اندر آسکتی تھی اس کی کوشش کی گئی، رہی اس مقام کی حقیقت

فوراء الوراء ، ثم وراء الوراء

# طالبین راہ نبوت خاصان خدا ہیں

## فائدہ

طالبین راہ نبوت کی لوح خاطر حب ایمانی کے استیلاء اور فنائے ارادہ کی پختگی کی وجہ سے امیدوں اور آرزوؤں کے نقوش سے صاف وسادہ ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ حضرت حق کی رضا کے سوا کسی چیز کی طلب اور دونوں جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی خواہش ان کے دل میں جگہ نہیں پکڑتی، اور دنیا وآخرت کی خوشحالیوں اور عیش وعشرت کا شوق نہیں پیدا ہوتا، یہاں تک کہ ایک بار زبان سے خدا کا نام لینے کے مقابلہ میں اگر ان کو دونوں جہاں کی نعمتیں پیش کی جائیں تو وہ اس کو سب وشتم کی طرح سمجھیں گے اور وہ تمام کام اللہ کی خوشی کے لیے کرتے ہیں، اور ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا، ﴿اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ﴾ میں انہی لوگوں کی تعریف ہے، اور چوں کہ یہ ارباب طریق نشۂ محبت کے مقام سے آگے بڑھ چکے ہوتے ہیں، اور مدارج عالیہ کو پہونچ چکے ہوتے ہیں، ان کے دل میں مناسب طبع امور میں سے کسی امر کی رغبت اور مکروہات دارین میں سے کسی امر کی کراہت بھی کبھی پیدا ہوتی ہے، لیکن اس طرح نہیں کہ اپنی طاعات کے عوض میں کسی امر مرغوب کی استدعاء کرے، حاشا وکلا اس لیے کہ یہ بزرگوار اپنے اعمال کو اپنی طرف سے نہیں سمجھتے کہ اس کے عوض میں کسی جزا کے امیدوار ہوں، بلکہ جس طرح کہ بادشاہ عالی جاہ کی رعایا میں سے کوئی شخص اس کو خوش کرنے کے لیے مدتوں حیران وسرگرداں رہا ہو، اور سلطنت کے عہدوں، سپاہ گری و جماعت داری وغیرہ میں منتقل ہوتا رہا ہو، آخر بادشاہ کی خوشی اور

قبولیت کے مقام اور شاہی کفالت و وکالت میں پہونچ کر بلند مرتبہ اور اس کے مصاحب خاص کا لقب پائے، پس اس حالت میں وہ تمام چیزیں جو اس کے آقا کے زیر حکومت اور اس کی مملکت میں موجود ہیں، ان کی فرمائش کرنے کا اس کو حق ہے، اس طرح نہیں کہ وہ اپنا حق خدمت یا صلہ محنت یا مصاحبی کا معاوضہ چاہتا ہے، اس لیے کہ اس طرح کی فرمائش وخواہش اس کے لیے بہت بڑا عیب ہے، اور اگر وہ یہ کرے گا تو اپنے کو اس مرتبہ عالی سے اتار کر مزدوروں کے گروہ میں داخل کردے گا، بلکہ اس تعلق کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ اپنی تمام ضرورتیں صرف اپنے آقا کے سامنے پیش کرے۔

اسی طرح جب ارباب کمال انتخاب و برگزیدگی اور مقبولیت ومحبوبیت سے مشرف ہوتے ہیں، اور اس مقام بلند میں راسخ القدم اور رفیق اعلیٰ سے مل جاتے ہیں، تو بندۂ خاص اور عبد مخصوص کا لقب پاتے ہیں، اور امور مرغوبہ کی طرف میلان ان میں باقی رہتا ہے، نہ اس طرح کہ ان کے امور کو اپنے اعمال کے معاوضہ کے طور پر طلب کرتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ اس سے بندگی کے تعلق کو رونق حاصل ہوتی ہے، پس حظوظ نفسانی کی طلب ان کے حق میں زیادتیٔ قرب کی موجب ہوتی ہے نہ کہ بعد کی۔

موسیٰ اندر درخت آتش دید　　سبز ترمی شد آں درخت از نار
شہوت و حرص مرد صاحب دل　　ایں چنیں داں و ایں چنیں انگار

# ارباب کمال کے تین گروہ

القصہ جب یہ ارباب کمال اس مقام وحال کو پہونچتے ہیں، تو فطری استعداد کے اختلاف کے سبب سے ان کے تین گروہ ہوجاتے ہیں۔

☆ ایک وہ گروہ جو علو مرتبہ کے کمال کے سبب سے اور مقام قبولیت میں راسخ القدم ہونے کی وجہ سے دنیا وآخرت کے مرغوبات ومکروہات اور مصائب ومشکلات کو ادنیٰ امور میں سے سمجھتا ہے، اور ان کی طرف کچھ بھی التفات نہیں کرتا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ نشۂ محبت میں سرشار ہوتے ہیں اور پسندیدہ وناپسندیدہ میں ان کو کوئی تمیز نہیں ہوتی، بلکہ اپنے علو مرتبہ اور ان اشیاء کی حقارت کی وجہ سے کرتے ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ ان کا پایہ اس بات سے بہت بلند ہے کہ ان امور کی طرف ان کا التفات ہو، اور ان مناصب ودرجات کی جو فرحت ومسرت ان کو حاصل ہے وہ اس سے کہیں بالاتر ہے کہ ان کو کسی اور فرحت کی تلاش ہو، اگرچہ ان کو ضرورتوں کے پیش کرنے کا مرتبہ حاصل ہے، اس لیے کہ عنایات ربانی اور کفالت یزدانی کی وجہ سے ان کی دعا واجب الاجابت اور ان کی پناہ طلبی واجب القبول ہے۔

☆ دوسرے وہ لوگ ہیں جو ضرورتیں پیش کرتے رہتے ہیں، مشکلات کو دور کرنے، مرغوبات کے حاصل ہونے اور مکروہات سے بچنے کی دعاؤں میں مشغول اور اپنے تعلق بندگی کو مستحکم کرنے کے لیے اور اظہار ضرورت کے لیے (جو بندگی کا شعار ہے) اور پریشاں حال ضرورت مندوں پر شفقت کی وجہ سے لوگوں کی سفارشوں میں ہر وقت ساعی وکوشاں رہتے ہیں۔

☆ تیسرا گروہ ان بزرگوں کا ہے جن کے دل میں مرغوبات کی طلب کا تقاضہ، مشکلات سے نجات اور ضرورت مندوں کی سفارش کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن کمالِ ادب کی وجہ سے اور حضرت حق کی کفالت پر پورا اعتماد کرتے ہوئے اور یہ اعتقاد کر کے کہ وہ دنیا کی تمام پوشیدہ چیزوں اور رازہائے سربستہ سے واقف ہے، اور اس کا علم محیط ہے، زبان حال پر اکتفاء کرتے ہوئے زبان قال کو استعمال نہیں کرتے "حسبی سوالی علمه بحالی" ان کا مسلک ہوتا ہے، حق جلّ وعُلا ان کی دعائے حالی کو ضرور قبول فرماتا ہے، اور ان کی حوائج قلبی کو ضرور پورا کرتا ہے، اس طرح سے کہ ان کے تقاضائے قلبی کو خود بخود بلا تقریب ظاہر کر دیتا ہے اور ان کو بلکہ محافل قرب کے تمام مخصوصین کو اطلاع دے دیتا ہے کہ یہ محض ان لوگوں کی رضا جوئی اور ان کے اقتضائے قلبی کو پورا کرنے کے لیے یہ کام کیا گیا ہے، اور اس بات سے ان کا اعتبار اور بڑھتا اور ان کا فخر اور ترقی کرتا ہے، اور ان کو اس وجہ سے اپنے امثال واقران میں بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔

# ہر گروہ مقام بلند پر فائز ہے

## فائدہ

اگر چہ ان تینوں گروہوں میں سے کسی گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح دینا ہر طرح سے غلط اور بیجا ہے ع

ہر گل را رنگ بوئے دیگر است

لیکن تیسری قوم کو ملأ اعلیٰ میں ترقی جاہ واعتبار کے لحاظ سے فریق ثانی پر جو فضیلت ہے وہ اہل فہم سے پوشیدہ نہیں، اسی طرح سے دوسرے گروہ کو بلحاظ علاقۂ عبودیت کے مقتضیات کے ظہور کے اور اللہ اور اس کے مخلوق کے درمیان فیوض غیبیہ کے پہونچنے میں واسطہ بننے اور لوگوں کی حاجت روائی اور سفارش کرنے کی وجہ سے گروہ اول پر جو فضیلت ہے وہ اہل حق سے مخفی نہیں۔

☆والعلم عند اللّٰہ ☆

# راہ سلوک ولایت

(یہ باب چار فصول اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے)

## طریقہ قادریہ

## طریقہ چشتیہ

## طریقہ نقش بندیہ

## طریقہ محمدیہ

# طریقہ قادریہ

طریقہ قادریہ کے اشغال کا خلاصہ جو سلوک کی آسانی اور جلد حصول مقصد کا باعث ہو، اور جس میں ابتداء ہی سے انتہاء کے آثار پیدا ہوں، چوں کہ تمام اشغال ذکر اور فکر میں منحصر ہوتے ہیں، وہ اس طرح دو ہدایتوں پر منقسم ہے۔

پہلی ہدایت ذکر کے طریقوں کے بیان میں ہے، اس ہدایت میں چار افادات ہیں۔

## افادہ۔۱۔ یک ضربی ذکر کا طریقہ

سب سے پہلے ایک ضربی ذکر کرنا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوزانو نماز کے طریقہ پر بیٹھ کر لفظ اللہ کو وسط سینہ سے شدت اور جہر کے ساتھ نکال کر اپنے منہ کے سامنے ضرب لگائیں، اور اس لفظ کے تلفظ کے وقت ایسا خیال کریں کہ ایک نور اس لفظ مبارک کے ساتھ منہ سے نکلا ہے، اور جب ضرب پوری ہوگی اس وقت ایک لمبی آواز گھڑیال کی آواز کی طرح تصور میں گونجے گی۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب انسان قصداً تیزی اور زور کے ساتھ آواز نکالتا ہے، تو سنائی دینے والی آواز سے پہلے ایک حرکت ظاہر ہوتی ہے اور اس کو خیالی آواز کہہ سکتے ہیں، اور جب زور اور شدت کے ساتھ آواز مکمل ہوتی ہے تو اس کے اتمام کے بعد اور اس سے پہلے کہ سانس اپنی جگہ پر آجائے، اور منہ، ہونٹ اور زبان کی ہیئت اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے، ایک آواز کی گونج خیال میں رہتی ہے، جس کا ادراک کان سے نہیں ہوسکتا، البتہ بولنے والا محسوس کرتا ہے۔

پھر اسی گونجدار آواز کو مزید کھینچ کر اس کو نورانی چادر کی طرح تصور کرتے ہوئے خوب وسیع کر کے سر سے لے کر پیر تک پورے بدن کو ڈھانپ لیں، پھر اس آواز متخیلہ سے بھی خاموشی اختیار کر کے اس نورانی چادر کو اپنے جسم کے اندر سرایت کرتے ہوئے وسط سینہ میں اکٹھا ہونے کا احساس کریں، چند بار اس نور کو اسی طرح متصور کرنے سے وہ نور پورے جسم میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔

اس دوران اس خاموشی میں خود کو ذات خالص کی طرف متوجہ رکھیں، اور اس دھیان کے حصول اور اس نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح سے ذکر کریں اور اس ذکر کو کثرت اور پابندی کے ساتھ عمل میں لائیں تا کہ اس پر اچھی طرح سے قابو حاصل ہو جائے۔

## افادہ۔۲۔ دو ضربی ذکر کا طریقہ

یک ضربی ذکر کی پختگی کے بعد دو ضربی ذکر شروع کریں۔

اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ دوزانو نماز کی نشست کی طرح بیٹھ کر لفظ اللہ کو وسط سینہ سے نکال کر سختی اور تیزی کے ساتھ داہنے گھٹنے پر ضرب لگائیں، اور پھر متخیل آواز کی درازی کو آہستگی کے ساتھ داہنے شانے تک کھینچ کر وسط سینہ تک پہونچائیں، اور ایسا خیال کریں کہ اس لفظ کے ساتھ نور نکلا ہے، اور اس نے زانو، پہلو، شانہ اور دست راست کی جگہ لے لی ہے، اور یہ سب اعضاء بیکار ہو گئے ہیں، اور ان کا جانشین نور ہو گیا ہے، پھر تھوڑی دیر خاموش ہو جائیں اور اسی خاموشی میں اس نور کے اعضائے مذکورہ کی جگہ بیٹھنے کا ملاحظہ کریں، یہاں تک کہ ان کے ذہن میں اس نور کی صورت ان اعضاء کی جگہ میں بخوبی بیٹھ جائے۔

اس کے بعد اسی لفظ کو اس نور کے ساتھ وسط سینہ سے داہنے شانے تک کھینچ کر زور اور تیزی کے ساتھ دل پر ضرب لگائے، اور ایسا تصور کرے کہ وہ نور جس نے داہنی جانب کا احاطہ کیا تھا اب وہ دل میں اتر گیا ہے، پھر تھوڑی دیر خاموشی اختیار کرے، اور اس سکوت میں ایسا خیال کرے کہ وہ نور جو دل میں سرایت کر گیا تھا اب وہ تمام جسم میں اتر گیا ہے۔

## افادہ۔۳۔ سہ ضربی ذکر کا طریقہ

سہ ضربی ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانو بیٹھیں اور ایک ضرب پیچھے ذکر کئے گئے طریقہ کے مطابق داہنی جانب لگائیں اور دوسری ضرب اسی انداز سے بائیں جانب لگائیں، اور تیسری ضرب دل پر لگائیں۔

## افادہ۴۔ چہار ضربی ذکر کا طریقہ

چہار ضربی ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب بیان کردہ طریقہ کے مطابق دائیں جانب، دوسری ضرب بائیں جانب، تیسری ضرب دل میں اور چوتھی ضرب اپنے منہ کے سامنے لگائیں، اس کے ساتھ یہ خیال کریں کہ ایک نور اس لفظ کے ساتھ ہمارے منہ سے نکل کر ہمارا احاطہ کر رہا ہے، اور اس نے ہمارے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا ہے اور ہم مکمل طور پر اس میں غرق ہو گئے ہیں، بلکہ ہمارے بدن کی جگہ اس نور نے لے لی ہے۔

## فائدہ

مذکورہ طریقے کے مطابق اس ذکر کا نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا اثر ذاکر کے تمام بدن پر اجمالاً و تفصیلاً پڑے، اور بشریت کی ظلمت اس کے تمام بدن سے عموماً اور اعضائے مذکورہ سے خصوصاً دور ہو جائے اور یہ فنائے جسمانی کی تمہید ثابت ہو، ذکر فکر کے ساتھ مل جائے، اور ذکر سے مراقبہ کی طرف منتقل ہونے میں آسانی ہو۔

الغرض جب چاروں اذکار کے آثار ایک ضربی سے لے کر چار ضربی تک ظاہر ہو جائیں، تو فکر میں مشغول ہونا چاہئے۔

## دوسری ہدایت

# فکر کے اقسام

## اس میں سات افادات ہیں

### افادہ۔۱۔مراقبہ وحدانیت

پہلا مراقبہ وحدانیت کا مراقبہ ہے۔

اس مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کا ہر جگہ دھیان کرے کہ ہر زمان و مکان میں وہی یگانہ ذات ہے، اس طرح پر کہ وہ ہر چیز میں سرایت کئے ہوئے ہے، اور ہر چیز کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

اس کی تین صورتیں ذہن میں آئیں گی۔

☆ پہلی صورت یہ کہ ہر چیز کی نفی کر کے اس کی جگہ حق تعالیٰ کے وجود کا یقین کرے۔

☆ دوسری صورت یہ کہ وجود حق تعالیٰ کو عین ہر چیز خیال کریں، یہاں یہ دونوں صورتیں مراد نہیں ہیں، بلکہ ان دونوں صورتوں سے پرہیز واجتناب انتہائی ضروری سمجھیں۔

☆ اور تیسری صورت جو یہاں پر مراد ہے، وہ یہ کہ اس وجود کو یکتا، ہر چیز کے علاوہ، ہر جگہ پر اس کو تصور کرے، نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ انہیں عین حق تعالیٰ جانے، اس کی مثال یہ ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا معنی جس کی تعبیر فارسی میں ''ہست'' اور اردو میں ''ہے'' سے کرتے ہیں وہ ہر جگہ موجود ہے، لیکن چیز کا عین نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا غیر ہے، باوجود یہ کہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں ہے۔

## افادہ۔۲۔مراقبہ صمدیت

مراقبۂ وحدانیت مستحکم ہونے کے بعد مراقبہ صمدیت کریں، اس کے دو درجے ہیں۔ ایک ابتداء اور دوسری انتہاء۔

ابتداء کا مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر اس بات کا مراقبہ کریں کہ ہر چیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی محتاج ہے اور وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، جب یہ مراقبہ خوب پختہ ہو جائے تو اس کی انتہاء حاصل کرنے کی کوشش کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ تفصیلی طور پر امور دین و دنیا کے ہر امر میں اپنی محتاجگی کا دھیان کریں، اس دھیان کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے بغایت الفت و محبت اور نہایت عاجزی وانکساری ہونی چاہئے، یعنی ایسا خیال کریں کہ ہر چیز میں ہم اس کے محتاج ہیں اور کوئی کام اس کی عنایت ونصرت کے بغیر سرانجام نہیں پاسکتا، خواہ وہ کام مشکل ہو یا آسان، خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے۔

## مراقبہ صمدیت کے ثمرات

اس مراقبہ سے انہیں ایسی الفت ومحبت اور بارگاہ عالی میں ایسی رسائی نصیب ہوتی ہے کہ اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کو اس کی مرضی میں بلکہ اس کے نام پر قربان کرنا ان کے لیے سہل اور آسان ہو جاتا ہے، بلکہ اس بات کو اپنے افتخار واعتبار اور عزت و جاہ کے اضافہ کا سبب شمار کرتے ہیں، اور یہ امر ان کے دل ودماغ میں بخوبی راسخ ومستحکم ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کی طرف سے ہمیشہ نسلا بعد نسل انعام پاتے ہوئے آیا ہو، اور اس کی زندگی کے تمام مسائل اسی بادشاہ کے وسیلہ سے حل ہوتے ہوں، اور اسے جو عزت واعتبار حاصل ہے وہ اسی بادشاہ کے طفیل حاصل ہوا ہے، پھر اگر اس بادشاہ کی طرف سے کسی کام کا حکم اس کو ملے تو وہ اس کو سرانجام دینے کے لیے جان دینے میں بھی اپنا فخر تصور کرے گا، اس مراقبہ سے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کا مطلب بخوبی ثابت ہو جاتا ہے۔

اس مراقبہ کے ثمرات میں سے توحید الٰہی کا انکشاف ہے کہ باوجود بہت سے کام اور بہت سے کارکنان کے اس مراقبہ والے کے لیے ایک ہی فاعل اور ایک ہی مؤثر ہے جو فاعل حقیقی کی ذات ہے اور جو ہر باب، ہر حرکت اور ہر سکون میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

## افادہ۔۳۔ شغل دورہ

اس مراقبہ کے بعد شغل دورہ کریں، اس شغل کے ارکان اسمائے حسنیٰ میں سے چار نام ہیں۔

(۱) سمیع .(۲) بصیر .(۳) قدیر .(۴) علیم .

ہر ایک اسم کے ساتھ اسم ذات کو ضم کرلیں، پھر مراقبہ کی طرح بیٹھیں، اور خاطر کو جمع کر کے اور دل کو حاضر کر کے اپنے خیال میں کہیں" اللّٰہ سمیع" (اللہ سننے والا ہے) اور اس کو ناف سے وسط سینہ تک لے جائیں، اور ایسا خیال کریں کہ ہماری روح جو ہر چیز کا ادراک کرنے والی اور محسوس کرنے والی ہے وہی ہمارے اندر مجتمع اور فراہم ہو کر ذکر مذکور کے ساتھ ناف سے وسط سینہ تک پہونچ گئی ہے، اور اگر روح کو ناف سے وسط سینہ تک منتقل کرنا دشوار ہو تو ایسا تصور کریں کہ روح ان دونوں اسموں یعنی " اللّٰہ سمیع" کے درمیان اس طرح سے ہے کہ لفظ اللہ اوپر اور لفظ سمیع اس کے نیچے ہے، اس تدبیر سے ان دونوں اسموں کے انتقال کے ساتھ روح کا منتقل ہونا آسان ہو جائے گا۔

پھر بیان کئے گئے طریقہ کے مطابق "اللّٰہ بصیر "کو لطیفہ اخفیٰ تک جس کا مقام سر میں تالو کے بالمقابل ہے پہونچائے، پھر" اللّٰہ قدیر" کو لطیفہ اخفیٰ سے چوتھے آسمان تک پہونچائے، اور اپنی روح کو اس کا تابع اور ہمراہ رکھے۔

اس کے بعد" اللّٰہ علیم "کو وہاں سے عرش معلیٰ تک پہونچائیں، اور اس ذکر کی مدد سے روح کو چوتھے آسمان سے عرش مجید تک ترقی دیں، اور چوتھے آسمان اور عرش مجید میں روح کو تھوڑی دیر ٹھہرائیں اور آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ جس قدر ممکن ہو، وہاں پر روح کو

دائیں بائیں گھمائیں اور سیر کرائیں، کبھی کبھی ان مقامات میں روح کا توقف مشکل ہوجاتا ہے، بلکہ بھاری بھرکم چیز کی طرف خود بہ خود روح نیچے گر جاتی ہے، اس کی تدبیر یہ ہے کہ چڑھنے والے کے خیال میں چڑھنے کے وقت آسمانوں میں سوراخوں کے مثل نظر آئے گا، روح کو ٹھہرانے کے لیے ان سوراخوں کو اپنے خیال کی کوشش سے بند کردیں، تاکہ روح وہاں ٹھہر جائے، پھر انہیں رہبروں کے ساتھ ذکر کردہ طریقے کی ترتیب سے عرش مجید سے لطیفہ اخفیٰ تک اتریں، یعنی ''**اللّٰہ علیم**'' کے ذکر کے ساتھ عرش سے چوتھے آسمان تک اور ''**اللّٰہ قدیر**'' کے ذکر کے ساتھ چوتھے آسمان سے لطیفہ اخفیٰ تک، اور ''**اللّٰہ بصیر**'' کے ذکر کے ساتھ اخفیٰ سے سر تک، اور ''**اللّٰہ سمیع**'' کے ذکر کے ساتھ سر سے نفس تک اتریں، آہستہ آہستہ اس ذکر کو بڑھائیں تاکہ اس کے آثار ظاہر ہوں۔

## شغل دورہ کے اثرات

اس ذکر کے آثار میں سے ذاکر کی روح کی نورانیت، انبیاء اولیاء کی ارواح اور ملائکہ سے ملاقات، جنت وجہنم اور آسمانوں کی دوسری جگہوں جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ کی سیر اور لوح محفوظ اور وہاں کے واقعات کا کشف ہے، انہیں باتوں کی بناء پر روح کو آسمانوں میں ٹھہرانا اور وہاں سیر کرانا ضروری ہوتا ہے۔

اور وہاں کے عجائبات کا مشاہدہ مختلف ہوتا ہے، ہر شخص اپنی قوت ادراک اور استعداد اور اپنے مناسب حالات ومقامات کا مشاہدہ کرتا ہے، اور ارواح وملائکہ سے ملاقات کے ضمن میں ان سے گفتگو کا موقع بھی ملتا ہے، اور کبھی کبھی نیک صلاح پر جو سالک کے راستے کے لیے مفید ہوتی ہے یا اس کے علاوہ دوسری چیز پر اسے مطلع کرتے ہیں، اور روح کو ایسی لطافت اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ایسی قربت وانسیت حاصل ہوتی ہے اور جسم سے ایسی بیگانگی میسر ہوتی ہے، اور ایسی نورانیت بہم پہونچتی ہے، جو شغل نفی میں کام آتی ہے، اور اس کو آسان تر بنادیتی ہے۔

اور اگر چہ روح بشری اس قابل نہیں ہے کہ وہ عالم قدس اور آسمانوں پر چڑھے لیکن ذکر الٰہی اس کا رہبر ہو گیا ہے، لہٰذا جہاں جانے کی وہ طاقت نہیں رکھتا تھا وہاں مذکورہ رہنما کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے۔

## افادہ۔۴۔ شغل نفی

اس کے بعد شغل نفی شروع کریں، اس کا بیان یہ ہے کہ بمقتضائے ارشاد خداوندی ﴿أَللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ انوار الٰہی ہر جگہ موجود ہیں، جیسا کہ وجود ہستی ہر جگہ ثابت ہے، چنانچہ مراقبہ وحدانیت میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس پر بحث ہو چکی ہے، انوار اس کے لوازم ہیں، لہٰذا جہاں وجود ثابت ہے وہاں انوار بھی متحقق ہیں اور جب وجود کا احاطہ معلوم ہو گیا تو اسی طرح سے اس کے انوار کے وجود کو بھی سمجھنا چاہئے۔

لیکن انسان کی قوت مدرکہ اشیائے کثیفہ وظلمانیہ یعنی اجسام فلکی وعنصری کے خیالات کے سبب سے ان کے ادراک سے محروم ہے، نہ کہ اس کی غیر موجودگی اور دوری کی وجہ سے۔

اور ذات باری تعالیٰ تک پہونچنے میں حجب کا طئے کرنا واجب ہے، جس سے میری مراد انوار ہیں، اور جو کچھ اصحاب فطرت عالیہ کو بغیر انکشاف انوار کے ذات باری تک وصول نصیب ہو جاتا ہے، ان کا یہ معاملہ اکثر لوگوں کے انکشاف انوار کے محتاج ہونے میں نفی نہیں کرتا ہے۔

لہٰذا ان کے ادراک کے لیے اپنی قوت مدرکہ کو مذکورہ خیالات سے پاک وصاف کرنا چاہئے، تاکہ انوار الٰہی محسوس ہوں، جوں ہی سالک کی قوت مدرکہ آئینہ بیان کردہ خیالات کے رنگ سے صاف وشفاف ہوگا ویسے ہی انوار ہر جگہ نظر آنے لگیں گے، اور بغیر کسی دقت وپریشانی کے انوار دریافت ہوں گے۔

## شغل نفی قوت مدرکہ کو پاک کرتا ہے

قوت ادراک کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شغل نفی کریں اور شغل نفی کا خلاصہ اپنے خیال سے اشیاء کو نیست و نابود کرنا ہے، اگر چہ حقیقت میں کوئی چیز معدوم نہیں ہوگی، درحقیقت اس کو نیست و نابود جاننا خیال باطل اور وہم کاذب ہے، ہر وہ چیز جو موجود ہے وہ واجب الوجود تبارک وتعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہے، اور ہر موجود شئے کو اس کے وجود پاک کے ساتھ ایک خاص ربط حاصل ہے۔

پس کسی چیز کے وجود کی فی الواقع نفی کرنا ممکن نہیں ہے، اور اس بات کا ارادہ کرنا گویا خالق کائنات سے مقابلہ کرنا ہے، واقعی چیز کی نفی سے کوئی مقصد بھی متعلق نہیں ہے، کیوں کہ مقصد تو اپنی قوت مدرکہ کو صاف ستھرا کرنا ہے، جب قوت مدرکہ صاف و شفاف ہو جائے گی، تو اپنا مدعا خود بخود حاصل ہو جائے گا اور واقعی چیز کی نفی سے ہماری کوئی غرض بھی وابستہ نہیں ہے۔

## نفی کے دو درجہ

اگر چہ پوری دنیا کی نفی مشکل نظر آتی ہے، لیکن یہاں پر اس کے صرف دو درجے ہیں، اس لیے کہ پورے عالم کی نفی اور عالم کے ایک چیز کی نفی برابر ہے، انسان کا اپنے خیال کو مچھر کے پر اور تمام کائنات سے خالی کرنا برابر ہے، البتہ اپنے وجود کی نفی کرنا نسبتاً ایک دشوار کام ہے، اس بناء پر نفی کے دو درجے مقرر کرنے چاہئے، اول اپنی نفی، اور دوم پوری دنیا کی نفی۔

دوم کی آسانی اور اول کی دشواری کا سبب یہ ہے کہ قوت مدرکہ خود کے علم و احساس سے پُر ہوتی ہے اور غیر کا علم و احساس کبھی کبھی ہوتا ہے، دوسری نفی میں ایک باہری چیز کو اپنی قوت مدرکہ میں داخل ہونے سے روکنا ہے، اور پہلی نفی میں جو چیز مدرکہ میں موجود ہے، اس کو نکالنا ہے، پس خارج کو داخل کرنے اور داخل کو خارج کرنے کے درمیان جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں کہ پہلا دوسرے کے مقابلہ کے میں بہت آسان ہے۔

یا اس کے فرق کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ اس شخص کے لیے بارش کی نفی کرنا جس نے بارش کو کبھی کبھی دیکھا ہو، زیادہ آسان ہے، اس شخص کی بارش کے نفی کرنے کے مقابلے میں جو عین بارش میں کھڑا ہوا اور بارش کے قطرات اس کے بدن پر مسلسل پڑ رہے ہوں، اس بناء پر خود کی نفی میں جسم کی نفی زیادہ سہل ہے، اور اس جگہ کی نفی جہاں (درا کہ) موجود ہوتا ہے، مشکل ہوتی ہے اور کبھی کبھی سر کی نفی جو ادراک و امتیاز کا مرکز ہے، دشوار ہوتی ہے اور ان بعض اشخاص کے لیے جو سانس کی آمد و رفت پر ہر دم آگاہ رہتے ہیں، حلق و سینہ کی نفی سخت ہوتی ہے۔

## مشکل چیز کو سب سے پہلے ہدف بنائیں

غرض جس چیز سے زیادہ آگاہی ہوگی اس کی نفی اتنی ہی زیادہ سخت ہوگی، پس اوّلاً تمام عالم کی نفی کریں، پھر اپنے بدن کی نفی کریں اور اس جگہ سے آغاز کریں جس کی نفی زیادہ دشوار معلوم ہوتی ہو کہ اس کی نفی سے بدن کے تمام عضو کی نفی یکبارگی ہو جائے اور نفی کی تحصیل میں اصل کامل صاحبِ نفی کی توجہ ہے کہ اپنی نفی کر کے پورے دھیان کے ساتھ متوجہ ہو کر القاء فرمائے۔

ابتداء میں اس کام کے مبتدی پر اس کا اثر مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتا ہے کبھی کبھی شروع میں سینہ اور پیٹ میں خلا محسوس ہوتا ہے، اور کبھی لگتا ہے کہ سر اور دونوں ہاتھ غائب ہو گئے ہیں، کبھی تصور میں آتا ہے کہ میں چھوٹا ہو گیا ہوں اور کبھی خیال آتا ہے کہ بغیر ضخامت و جثہ کے میں لمبا ہو رہا ہوں، گویا گوشت کی ایک نرسل ہے جو لحہ بہ لحہ لمبی اور باریک ہوتی چلی جا رہی ہے۔

## نفی کا تصور

اس تصور کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے سینہ یا پیٹ میں خلا خیال کرے، جیسے کہ توپ کا گولہ ایک طرف سے دوسری طرف نکل کر جسم کے اس حصہ کو خالی کر دیا ہے پھر اس خیالی

سوراخ کو آہستہ آہستہ چوڑا اور کشادہ کرے، تا کہ وہ انجام تک پہونچ جائے۔

اور تصور کی سخت ترین صورت یہ ہے کہ یہ خیال کرے، ایک معنوی غیبی چیز جس سے مراد فنا ہے وہ عالم غیب سے اس کی طرف متوجہ ہو کر دفعتاً اس کے جسم کو منتشر کر دیا ہے، جیسے کہ سخت پتھر ایک کمزور ٹھیکری پر گر کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

اور کبھی ایسا بھی تصور کر سکتا ہے کہ اس کی جان نکل گئی ہے یا گوشت کا ٹکڑا جس کا نام دل ہے وہ اس کے جسم سے نکل کر معدوم ہو گیا ہے، اور جسم بے جان و دل کے باقی نہیں رہ سکتا، لہذا وہ جسم بے جان ہو کر بے کار ہو گیا ہے، اگر چہ اس کام کے واقف کے نزدیک ان مختلف صورتوں کا بیان کرنا بے فائدہ کلام کو طول دینا ہے، لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے اجمالی طور پر نفی کا مطلب بیان کرنے سے اس کی صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا تعین کسی بڑے زیرک کو بھی میسر نہیں ہوتا ہے، اور کبھی کبھی بہت سی صورتوں کے ادراک کے باوجود کند ذہن غافل کو ان صورتوں کے علاوہ کوئی دوسری شکل نظر آتی ہے۔

غرض اس کی صورتوں کے اختلاف کا شعور فائدہ سے خالی نہیں ہے، جس طرح پر اس کی ابتداء رونما ہوئی اس کو بخوبی اپنے خیال میں جما کر مزید اس کو بڑھانے کی کوشش کرے، یہاں تک کہ تمام بدن کی نفی وقوع پذیر ہو جائے، اور اگر نفی کی دشواری معلوم ہو تو ان دونوں کلموں کے مطلب کو سمجھ کر بوقت خیال تمام جگہوں پر ضرب لگائے، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ شغل اس کے لیے کافی ہوگا۔

کبھی کبھی نفی کے بعد ایک طرح سے ایک ایسا خلا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی تلوار کا وار اس کے بدن پر لگے تو اس کا بدن مانع نہیں ہوگا بلکہ وہ وار جس طرح سے خلا میں گذرتا ہے اسی طرح سے اس کے درمیان سے خالی گذرتا ہے، اور کبھی کبھی کاجل کے مانند ایک ایسی تاریکی ظاہر ہوتی ہے جس کے اردگرد ایک نورانی چمک باریک خط کی طرح نمایاں ہوتی ہے، لیکن وہ نورانی لکیر مکدر اور تاریکی سے ملی ہوئی ہوتی ہے، جیسے شعلہ آگ کی لو، جو دھوؤں سے اختلاط کے سبب تاریک و مکدر نظر آتا ہے، نیز وہ خط نورانی بالاستقلال دریافت نہیں ہوتا ہے

بلکہ تاریکی کے ضمن میں محسوس ہوتا ہے، اگر اس کی طرف مستقل نظر ڈالیں تو اسی وقت وہ معدوم ہو جاتا ہے اور بجز تاریکی کے کچھ اور محسوس نہیں ہوتا ہے۔

غرض اس تاریکی کو نور نفی کا نام دیتے ہیں اس شغل نفی کی بخوبی مشق کرنی چاہئے، کیوں کہ طالب کا باطن امور مکدرہ سے جو خس و خاشاک کے مانند ہیں اسی شغل سے صاف وشفاف ہوتا ہے اور سالکین اکثر اوقات اس شغل کے محتاج ہوتے ہیں۔

## شغل نفی کے ساتھ یادداشت ضروری ہے

### فائدہ

طالب کو چاہئے کہ شغل نفی کے ساتھ مشغول ہونے کے دنوں میں شغل یادداشت بھی کرے، اور اس کی حقیقت ہر وقت یعنی اٹھنے بیٹھنے، کام کاج میں مشغولیت، مصائب سے دوچار ہونے اور کھانے پینے کے اوقات میں بے نظیر ذات عالیہ کی طرف التفات دائمی ہے، اس طرح پر کہ کوئی چیز اس دھیان میں رکاوٹ نہ بنے، جیسا کہ کسی چیز کی محبت یا کسی کام کا اہتمام جس کسی شخص کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو عین ضروری کاموں اور دنیاوی اعمال میں مشغولیت کے وقت بھی جیسا کہ ہونا چاہئے وہ اس امر کی طرف متوجہ رہتا ہے، جو ہر صاحب وجدان پر واضح ہے، لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے غافل اشخاص کو چاہئے کہ بیان کردہ مثال کو اپنے وجدان سے دریافت کر کے حق تعالیٰ کے دھیان کو ممتنعات عقلیہ یا محالات عادیہ میں سے شمار نہ کریں، بلکہ اس کو سہل و آسان سمجھ کر اس کی تحصیل پر اپنی کمر ہمت کو چست باندھ لیں۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح سے بعض اشخاص کو بعض چیزوں کی یادداشت حاصل ہوتی ہے، لیکن وہ اس چیز کی یادداشت کے حصول پر متنبہ نہیں ہوتے ہیں،

مگر کسی ایسے معاملہ کے پیش آنے کے وقت جو اس چیز کی یادداشت کے حصول کی یاد دلانے والی ہو، مثلاً ہر شخص کو اپنے بدن کی طرف التفات دائمی حاصل ہے اور اس کا علم نہیں ہوتا، مگر کسی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے یا کسی تکلیف کے وقوع کے وقت، اسی طرح بعض سالکین کو حق تعالیٰ کی یادداشت حاصل ہوتی ہے اور اس کے حصول کا علم نہیں ہوتا، مگر کسی غفلت یا ایسے امور کے پیش آنے کے وقت جو معاملہ یادداشت میں خلل ڈالنے والے ہوں اور حق تعالیٰ کی یادداشت کے ملکہ کے بعد دوسری یادداشت کو بھی اس کے ساتھ ضم کر لینا چاہئے۔

## افادہ: ۵۔ نفی النفی اور فناء الفناء

جب اپنی اور تمام عالم کی نفی طالب کے قابو میں آجائے تو نفی النفی اور فناء الفناء کا شغل شروع کرے، یعنی وہ چیز جس کے ساتھ اپنی اور اپنے تمام موجودات کی نفی کرتا تھا، اب اس کو بھی نیست و نابود تصور کرے، اور چوں کہ نفی النفی شئ محض ہے، اس لیے اس کی علامت موجودگی میں غفلت اور محسوس کرنے والی قوتوں میں صرف تعطل ہے، اگر اس شغل میں خوب کوشش کرے گا، تو اس کا بدن معدوم ہو جائے گا اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہیں رہے گا، اگرچہ غفلت کی یہ حالت طالب کو پسند نہیں آئے گی لیکن آئندہ کام آنے والی ہے، اس لیے اس کو بیکار نہ چھوڑے بلکہ اس کو عمل میں لائے۔

اور نفی النفی کے ناپسند ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس شغل میں علم و احساس کو دور کرنا ہے، اور جب شعور نہیں رہا تو کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکتا، اور انسان کی دل بستگی شعور کے سبب سے ہے، اگرچہ شغل نفی میں بھی ہر چیز کو اپنے ادراک سے دور کرنا ہوتا ہے، لیکن ایک صفائی اس کے خیال میں باقی رہتی ہے اور وہی دل بستگی کا باعث بنتی ہے، اور جیسا کہ صاف طبیعت والے شفاف میدانوں میں مانوس ہوتے ہیں اسی طرح شغل نفی میں بھی ایک انسیت ہوتی ہے، بخلاف شغل نفی النفی کے۔ جس کا مدار وہ شئے ہے جو اس مقام میں موجود نہیں ہے، (یعنی اس میں انسیت نہیں پائی جاتی)۔

## چھٹا افادہ: انوار حجاب راہ ہیں

تکمیل نفی کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں، کبھی توحید صفاتی منکشف ہوتی ہے، اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ اس شغل کا کرنے والا اپنے متعلق یہ گمان کرتا ہے کہ جو کثرت دنیا میں ہے وہ اس کا منبع و مصدر ہے، اور اس کی تصویر اس طور پر نمودار ہوتی ہے کہ وہ اپنے بدن کو کشادہ و وسیع خیال کرتا ہے، اور وہ کشادگی و وسعت اس درجہ کو پہونچی ہوتی ہے کہ اس کا خیال عالم اجسام سے جس کے سب سے اوپر عرش مجید ہے اس کے تمام جوانب سے متجاوز ہوتا ہے اور وہ پورے عالم کو اپنے اندر دیکھتا ہے اور افلاک، عناصر، پہاڑ، دریا، سمندر، درخت، پتھر، حیوان اور انسان سب کو اپنے جملہ جسم کا ہی حصہ سمجھتا ہے۔

اس صورتحال میں اس کو آسمانوں کے مقامات پر اطلاع اور زمین کے بعض مقامات کی سیر جو اس کی جگہ سے دور دراز فاصلوں پر ہوتی ہیں، بطور کشف حاصل ہوتی ہے، اور اس کا کشف بالکل سچا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں خود کو پورے عالم کا کل جانے بلکہ یہ اعتقاد کرے کہ یہ مخالف واقع خیال اس مرتبہ کے آثار میں سے ہے اور اس حالت میں توقف نہ کرے، کہ یہ منزل مقصود کی سیدھی راہ نہیں ہے، اگر چہ ایک راہ ہے لیکن راہ راست سے دور، سیر کی دشواری اور اس کی لمبی مسافت کے باعث ہے۔

انوار کے ساتھ اس سے انتقال کا قصد کرے کہ حجب اس کی پاک ذات ہیں، اور کبھی کبھی انوار رنگ برنگ کے نظر آتے ہیں اور یہ صورت طالب کے حصول مقصد کی راہ ہے، اور وہ انوار ذات خالص اللہ جل شانہ کے حجب ہیں، انہیں طے کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں، اگر عنایت الٰہی شامل حال ہو تو ایک لمحہ میں ہزاروں حجب طے ہو جاتے ہیں، لیکن سالک کے ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف انتقال کے لیے سبب عادی یہ ہے کہ وہ ان انوار میں سے ہر ایک نور کو اپنی قوت خیالیہ سے اس قدر وسیع کرے کہ وہ پورے عالم کا احاطہ کر کے قید مکان سے فضائے لامکان تک تجاوز کر جائے۔

اس کے بعد اپنے دل سے انتقال کا پختہ ارادہ نکال کر حضرت حق تعالیٰ کی جناب میں اس بات کی دعا کرے اور اپنی خیالی نظر سے اس نور میں اس حد تک غور کرے کہ ایک دوسرا نور اس نور کے اندر سے نظر آنے لگے اور اس کو بھی پہلے نور کے طریقے پر وسیع کرے اور اس سے تیسرے نور کی طرف منتقل ہو، اس طرح پر اس سلسلے کو جاری رکھے۔

بسا اوقات انسان انھیں حجب میں اٹک جاتا ہے، اور اسے اصل مقصود تک پہونچنے کا راستہ نہیں ملتا ہے، اور ان حجابوں کے آخر میں ایک ایسا باریک اور بے رنگ حجاب ہے جس کو نسبت بے رنگی سے تعبیر کرتے ہیں، وہاں بھی کبھی وہ اپنا پڑاؤ ڈال دیتا ہے، اور کبھی کبھی بعض طالبین اسی کو مقصود اور اصل سمجھ لیتے ہیں اور وہاں رک جاتے ہیں۔

## افادہ: ۷۔ سیر فی اللہ

جو شخص عنایت خداوندی اور تائید غیبی سے تمام حجابات طے کر لیتا ہے، وہ ذات پاک کی معرفت تک پہونچ جاتا ہے، اس مقام میں عمدہ حالات اور مختلف اطوار پیش آتے ہیں اور اس جگہ میں جو غور و خوض ہوتا ہے اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں، اور وہ حضرات یہ نہ سمجھیں کہ اس مقام کے حالات میں تغیر اور اختلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ آیت ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ کے مطابق ہر وقت خدا تعالیٰ کی ایک جدا شان جلوہ گر ہوتی ہے، اور طالب دل کے حالات کی تبدیلی کے ساتھ غیب میں بھی اس کی نگاہ بصیرت میں ایک تفاوت و تبدیلی ظاہر ہوتی ہے، اور چوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اس فرمان کے مطابق کہ آدمی کا دل پر کے اس ٹکڑے کے مانند ہے جو صاف میدان میں ہو، اور ہواؤں کے جھونکے اس کو الٹتے پلٹتے ہوں، انسان کے دل کو قرار نہیں ہے، لہذا شؤون ذات الٰہیہ کو بھی اس طرف سے سکون و اطمینان نہیں ہے، بلکہ دم بدم بدلتے رہتے ہیں، اور شؤون الٰہیہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف معاملات اولاد آدم کے حسب استعداد اسے پیش آتے ہیں، سیر فی اللہ کا تذکرہ بہت زیادہ تفصیل چاہتا ہے، جس کا ان اوراق میں ضبط تحریر میں لانا دشوار ہے۔

# دوسری فصل

# طریقہ چشتیہ کے اشغال

## اس میں پانچ افادات ہیں

### افادہ:۱۔ذکر ''أللّٰہُ اللّٰہُ''

اوّلاً طالب کو چاہئے کہ باوضو ہوکر دوزانو نماز کے طریقے پر بیٹھے اور اس طریقت کے اکابرین یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ وغیرھما کے نام پر فاتحہ پڑھ کر انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی کامیابی کے لیے خوب دعا کرے پھر دوضربی ذکر شروع کرے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ مبارک ''اللّٰہ'' کو دوبار متصلا کہے، اور دونوں کے اتصال کے لیے پہلے لفظ کے آخری حرف کو پیش اور اس دوبار کہنے کو ایک ذکر قرار دے، اور دونوں ذکروں کے درمیان فرق کرنے کے لیے اس لفظ ''اللّٰہ'' کو جس کو دونوں ذکروں میں دوسری دفعہ کہے، اس کو بطور وقف کہے، یعنی حرف ہ کو جزم دے کر پڑھے، اور پوری قوت کے ساتھ سینے سے اور جہر وشدت اور مد کے ساتھ کہے اور لفظ آخر کو اوّل مقابلہ میں زیادہ جہر و شدت اور مد وقوت کے ساتھ ادا کرے۔

اور لفظ اوّل کے ساتھ یہ خیال کرے کہ ایک نور اس کے سینے سے نکل کر اس کے لب پر پہونچ کر رک گیا ہے، اور دوسرے لفظ کے ذکر میں وہاں سے نکل کر اس قوت وکثرت

کی وجہ سے جو دونوں اکٹھا ہو گئے ہیں، اس کے منہ سے باہر آ کر اس کے سر پر پہونچ گیا ہے، پھر اس نور کو ایک ہاتھ کے بقدر لمبا تصور کرے، اور اس ذکر کو حضور قلبی کے ساتھ بار بار کرے اور حضور دل کے لیے بس اس قدر دھیان بھی کافی ہے کہ یہ اسم مبارک اس ذات پاک کا نام ہے جو اپنے نام کے ساتھ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے، اس اسم مبارک کا اپنے پاک مسمیٰ سے غائب ہونا ناممکن ہے۔

اس کریم مطلق کے کامل فضل و احسان سے پختہ امید ہے کہ ذاکر کو بہت جلد ایک نور معلوم ہوگا، پس یہ ذکر اس قدر کرے کہ وہ نور چھتری کے مانند اس کے سر پر پھیل جائے، پھر کثرت اور تہہ بہ تہہ ہونے کے باعث اس کے تمام بدن پر چھا جائے، اور اس کے بدن کا اندرو باہر سے احاطہ کر لے اور اس کا وجود اس نور میں گم ہو جائے۔

## افادہ:۲۔ ذکر ''الا اللّٰہ'' کا طریقہ

جب یہ بات حاصل ہو جائے اور اس کی عادت و مشق اس طرح پر میسر ہو جائے کہ وہ ہر وقت بلا تکلف اس طرح کر سکے، اور ایسا ذکر ذاکر کے بس میں آ جائے، تو دوسرا ذکر شروع کرے، اور وہ لفظ ''الا اللّٰہ'' کا ذکر ہے، اور یہ ذکر بھی اسی قوت و شدت اور جہر کے ساتھ کرے، جس طرح پہلے ذکر ہوا، لیکن اس قدر فرق کرنا ہوگا کہ اس کلمہ کی ضرب نیچے کی جانب اپنے دونوں زانوں کے درمیان لگائے۔ اور نور کو اسی قدر نیچے کی جانب خیال کرے جس قدر ذکر اوّل میں اوپر کی طرف خیال کیا تھا، اور اس کو نیچے سے اوپر کی طرف لائے تا کہ نور فوقانی اور نور تحتانی ایک ایسے ستون کے مانند ہو جائیں جس میں ذاکر کا بدن گم ہو جائے۔

## افادہ:۳۔ لفظ ''اللّٰہ'' کے ذکر کا طریقہ

پھر نرمی اور آہستگی کے ساتھ تیسرا ذکر شروع کرے، اور اس ذکر میں پہلے ذکر کے طریقہ پر صرف لفظ ''اللّٰہ'' ضرب کے بغیر کہے، سختی اور بلند آواز کے ساتھ اس لفظ مبارک کی ادائیگی کے وقت اس نور کو اپنے خیال میں لائے، جو اس کے بدن پر ہے جھاڑو اور صیقل کرنے

والے آلے کی طرح گھومائے، تاکہ اگر اپنے بدن وغیرہ میں کچھ خیالی کدورت رہ گئی ہو تو اسے صاف وشفاف کردے، اور وہ مکمل نور خوب صاف وچمکدار ہو جائے۔

## افادہ:۴۔ ذکر نفی واثبات

جب یہ نور اس طرح صاف وشفاف ہو جائے کہ اس کی شعاع ہر طرف سے دور دور تک جا پڑے، اور اس کا تصفیہ وتصقیل بھی ذاکر کے قابو میں آجائے، تو چوتھا ذکر ذکر نفی واثبات یعنی ''لا الہ الا اللّٰہ'' کا ذکر شروع کرے۔

پس '' لا ''کو اپنے خیال میں کھینچ کر زمین وآسمان کا محیط بنادے، اور تمام دورے کو گھیر کر ''الہ'' کو اپنے اندر تمام کرے، اور '' لا '' کے کھینچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے سامنے دراز اور وسیع خیال کرے، یہاں تک کہ وہ عرش مجید تک جا پہونچے، پھر اس کو متحرک تصور کرے کہ اس نے پورے عالم میں نقل وحرکت کے ایک دائرہ کی طرح ہو کر اپنے مقام پر لوٹ آیا ہے، اور لفظ ''الا اللّٰہ'' کے ساتھ اوپر کی جانب میں عرش مجید کے اوپر ضرب لگائے، اور ''لا الہ'' میں درحقیقت ہر چیز کی معبودیت، اپنے وجود اور کائنات کی تمام اشیاء کی نفی کو اپنے ذہن ودماغ میں درست طریقہ پر مضبوط ومستحکم کرلے اور ''الا اللّٰہ'' کے ضرب میں ذات خالص کی طرف اشارہ کرے، کیوں کہ قرآن مجید میں ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ آیا ہے۔

اس ذکر کے تکرار کے ساتھ اس ذات خالص کا نور عرش کے اوپر سے دریائے زخار کے مانند اس قدر کثرت اور وسعت کے ساتھ آئے گا کہ پوری دنیا کو گھیر لے گا بلکہ پورا عالم اس میں گم ہو جائے گا جیسا کہ ذکر اول میں فقط ذاکر کا جسم گم ہوا تھا، اس طرح پر ذکر نفی و اثبات طالب صادق کے واسطے کمالات مقصودہ کے حصول کے لیے کافی ہے، بس فہم درست ہونا چاہئے اور اس ذکر کو کثرت کے ساتھ عمل میں لائے، جو بفضل الٰہی ترقیات کے حصول میں دوسرے شغل کا محتاج نہیں ہوگا۔

## افادہ:۵۔مراقبۂ نورانیت

اس ذکر سے منزل مقصود کی طرف منتقل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اس نور کے استحکام کے جو عرش سے آکر پورے عالم کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اسی نور میں مراقبہ کرے اور ذکر ترک کردے۔

اس مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی اور تمام عالم کی نفی کو ذکر کردہ نور کے احاطہ سے حاصل کر کے پوری توجہ کے ساتھ دھیان میں رکھے، اور بیان کردہ نفی کو اس طرز پر اپنے قابو میں کر لے کہ اوّلاً بغیر نور کے دھیان کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی اس کے لیے آسان ہو جائے، اگر چہ نفی اس نور سے جدا نہیں ہوتی، لیکن اس شخص کو چاہئے کہ نفی کو مقصود لذاتہ بنا کر شغل نفی کو مضبوط کرے، اور استحکام نفی کے بعد یا تو توحید صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا۔

دوسرا طریقہ مقصد برآری کا طریقہ ہے، لہذا اس طریقہ کے مطابق جو فصل اول میں مذکور ہوا، نورانیت کے ان حجب سے تجاوز کرے، تا کہ حجب کا آخر جس کو نسبت بے رنگی کہتے ہیں اس پر فائز ہو، اگر چہ اس طریقہ کی نسبت کو چاند کی روشنی کی طرح پھیلی ہوتی ہے تشبیہ دیتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ بے رنگ ہے، ایک طرح سے جو یہ رنگ معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرو تو کوئی رنگ خیال میں آتا نہیں ہے، جب اس آخری حجاب سے بھی تجاوز واقع ہو جائے تو ذات پاک تک وصول متحقق ہوگا جو رائج سلوک کی منتہا ہے۔

# دوسری ہدایت

# متفرق فوائد کے بیان میں

## (اس ہدایت میں دو افادے ہیں)

### افادہ:ا۔"یا حی یا قیوم"

آسمانوں کے حالات کے انکشاف، ارواح وملائکہ سے ملاقات، جنت وجہنم کی سیر، ان مقامات کے حقائق پر اطلاع اور وہاں کے مکانوں کی دریافت اور لوح محفوظ کی کسی بات کے مشاہدہ کے لیے "یا حی یا قیوم" کا ذکر مقرر ہے۔

"یا حی" کو ذکر خیالی میں اپنے سینے کے درمیان سے لب تک لائے اور اپنی روح کو اس کے نیچے جوڑ دے، پھر "یا قیوم" کو سینے سے نکالے، اور چوں کہ اس لفظ مبارک کا تلفظ لفظ اول کے تلفظ سے متصل ہوتا ہے، اس لیے ضرور ان دونوں مبارک اسموں کا اثر اخیر لفظ کے تلفظ سے مل کر قوت پکڑ لیتا ہے، لہذا اس دوسرے لفظ کے تلفظ کے ساتھ ان دونوں الفاظ مبارکہ کی استعانت سے اس طور پر کہ اسم مقدس روح کے نیچے ہو جائے اور روح دونوں ناموں کے درمیان میں رہے، روح کو عرش کے اوپر لے جائے اور وہاں پہونچ کر ٹھہر جائے اور سیر وسیاحت کرے۔

سیر وسیاحت میں سالک کو اختیار حاصل ہے، عرش کے اوپر سیر کرے یا اس کے نیچے گشت لگائے، اور خطہ آسمان میں سیر کرے یا بقعہ زمین پر سیاحت کرے، جیسے کعبہ مقدسہ اور

دیگر بابرکت مقامات وغیرہ، اور جب کچھ دیر کے بعد اس عالم کو دیکھنا چاہے تو ان دونوں اسموں کی مدد سے اوپر سے نیچے کی طرف انتقال کرے، "یا حی" کے خیالی ذکر سے وہاں سے لوٹنے کی تیاری کرے، اور "یا قیوم" کے ہمراہ بتدریج اپنے مکان کی طرف اترے، اور اترنے میں آسمانوں کو جدا جدا سمجھے۔

## افادہ:۲۔ کشف قبور

کشف قبور کے لیے "سبوح قدوس ربنا و رب الملائکة والروح" کا ذکر مقرر ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسم یعنی "سبوح" کے ساتھ ناف سے دماغ یعنی لطیفہ انھی کے مقام تک پہونچے اور دوسرے اسم یعنی "قدوس" کے ہمراہ وہاں سے عرش مجید تک جائے اور تیسرے اسم کے ساتھ وہاں سے لوٹ کر ضرب کے طور پر دل میں مارے، اور دل کے اوپر سے داخل ہو کر اور اس کے نیچے سے نکل کر قبر کی طرف متوجہ ہو، اور اگر مقصود ایک دفعہ میں حاصل نہ ہو تو پریشان نہ ہو، بلکہ بار بار توجہ، دھیان اور التجاء وزاری کے ساتھ اس مدعا کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور فضل الٰہی سے قوی امید رکھے کہ مطلوب کشف حاصل ہوگا۔ اس کشف قبور کو بعض ناواقف حضرات قرب الٰہی کا ذریعہ جانتے ہیں حالانکہ درحقیقت یہ اس سے دوری کا سبب ہے۔

# تیسری فصل

## طریقہ نقش بندیہ کے اشغال کے بیان میں

(یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایات پر مشتمل ہے)

### تمہید:۔ لطائف ستہ کا بیان

چھ لطائف جو انسان کے اندر ہیں، ان کی جگہوں سے انسان واقف ہو جائے۔ وہ یہ ہیں:۔

☆ لطیفہ قلب بائیں پستان کے نیچے۔

☆ لطیفہ روح داہنے پستان کے نیچے۔

☆ لطیفہ سر ان دونوں کے درمیان یعنی سینہ کے بیچ میں۔

☆ لطیفہ نفس کا مقام عین ناف ہے۔

☆ لطیفہ خفی کا مقام پیشانی میں ہے، جو کہ سر کے بالوں کا منتہا ہے، اور جہاں سے پیشانی شروع ہوتی ہے، اور سجدے کی وجہ سے جہاں نشان پڑتے ہیں۔

☆ لطیفہ اخفیٰ کا مقام تالو میں ہے جو مقدم الراس ہے، جہاں بچوں کے سر میں حرکت محسوس ہوتی ہے۔

# پہلی ہدایت

# طریقہ نقشبندیہ کے ذکر کے اقسام

## (یہ ہدایت چار افادات پر مشتمل ہے)

### افادہ:۱۔ لطائف کے اذکار

لطائف ستہ کو اسی ترتیب پر جس طرح اوپر مذکور ہوئی اچھی طرح سے ذاکر بنائے، اس طور پر کہ وہ خود ان کے ذکر پر آگاہ ہو اور تلقین کرنے والا ہو کہ اس نے اپنے لطیفہ میں ذکر جاری کیا ہے، پوری توجہ کے ساتھ طالب کے لطیفہ میں اس ذکر کے القاء کا قصد کرے اور دعا و التجاء کے ذریعہ محض اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے اور مضبوط ارادے کے ساتھ توجہ کرے، توجہ کا سب سے چھوٹا اثر جنبش فیض کے قبیل سے ایک حرکت ظاہر ہو، اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ حرکت ہاتھ رکھنے سے معلوم ہو بلکہ اس طرح کہ صرف توجہ سے ہی معلوم ہو جائے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دوسرے کاموں میں عین مشغولیت کے وقت بھی انسان کو وہ حرکت اپنی طرف متوجہ کرے اور بالکل نہ چھوڑے کہ وہ اس سے بالکل غافل ہو جائے۔

لہذا اس حرکت کو نام پاک الٰہی کا مقارن جانے کہ وہ اس حرکت کے ساتھ "اللّٰہ اللّٰہ" کہتا ہے اور اس نام مقدس کے مسمیٰ کے ساتھ انسیت اور تعلق پیدا کرے پس ان لطائف کے اذکار کی جدا جدا مشق کر کے یکبارگی تمام لطائف سے ذکر کرے، یہاں تک کہ آن واحد میں ان سب کا ذکر معلوم ہو، اور اس ذکر لطائف کو پختہ کرے اور پختگی کا

سب سے چھوٹا درجہ یہ ہے کہ وہ جب چاہے اس میں مشغول ہو سکے۔

اگر تلقین کرنے والا مرشد مزید ذکر کرنے کا حکم دے تو اس کے حکم کی تعمیل کرے، اور سب لطائف میں سے ہر ایک کا الگ الگ نور ہے جو اس طریقہ کے بزرگوں کی کتابوں میں مفصل درج ہے، اور بکثرت لطائف کے اذکار ہر ایک لطیفہ کو اپنی روشنی سے منور کرتے ہیں، اگر چہ یہ روشن کرنا بہتر اور بہت اچھا ہے، لیکن راہ سلوک میں طول مسافت پیدا کرتا ہے اور وہ طول بالکل غیر ضروری ہے، جب انسان نورانیت کے حجب میں پہونچتا ہے تو خود بہ خود لطائف کے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے اور مشق کے بعد ہر لطیفہ کو اپنی روشنی سے بلکہ جس روشنی سے چاہے رنگین کر سکتا ہے، اور لطائف کے اذکار کے وقت میں یہی مطلب بڑی کوشش و محنت سے حاصل ہوتا ہے، اس کے بعد نورانیت کے حجب کے مقام میں بغیر جدو جہد کے بھی میسر ہو جاتا ہے، لہذا ابتداء میں اس کے انوار سے لطائف کو رنگین کرنے کی کوشش کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ''سکندر نامہ'' کے مضامین کسی ''کریما'' خواں کو دی جائے، لہذا بہتر یہ ہے کہ ادنیٰ مرتبہ کو بقدر ضرورت استعمال کرے اور وقت کو شمشیر براں جان کر بہت جلد اس سے گزر جائے اور بلند مقامات میں بقدر استعداد و سیر روح کے توقف کرے۔

## افادہ:۲۔ ذکر نفی و اثبات کا طریقہ

اس کے بعد نفس کو قید کر کے ذکر نفی و اثبات کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دوزانو مؤدب ہو کر قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھے اور اپنی سانس کو روک کر کے زبان کو تالو سے لگا کر ''لا'' کو لطیفہ نفس سے کھینچے اور لطیفہ سر پر قدرے توقف کرے، اس کے بعد لطیفہ خفی پر بھی ٹھہر کر لطیفہ اخفیٰ تک پہونچے، غرض ایک خیالی حرکت لطیفہ نفس سے لطیفہ اخفیٰ تک کرے، اور اس امتداد حرکت کے درمیان لطیفہ سر و خفی کے مقام میں مستقل متوجہ ہو کر ان دونوں کے امتیاز کے لیے تھوڑا ٹھہرے، اور ''الـــــہ'' کو لطیفہ اخفیٰ سے کھینچ کر لطیفہ روح کی طرف متوجہ ہو کر ''الا اللّٰہ'' کی ضرب لطیفہ قلب پر لگائے۔

ان خیالی حرکتوں میں سے کوئی ظاہری حرکت اعضاء میں سے کسی عضو پر یہاں تک کہ سر، منہ، لب اور زبان پر بالکل نہ ہو، اور طاق عدد میں اس ذکر کو عمل میں لائے، ایک دفعہ ذکر کر کے اپنے نفس کو چھوڑ دے، اور اطمینان وقرار نفس کے بعد دوسری دفعہ ذکر کرے، اور جب حبس نفس کا تحمل خوب ہو جائے تو ذکر کی تعداد میں کچھ اضافہ کرے، اور زیادتی کا سب سے چھوٹا درجہ اکیس ۲۱ بار ہے، جب اکیس دفعہ تک پہونچ جائے گا اور اس کی خوب مشق کرے گا اور ایک مجلس میں سیکڑوں تک شمار پہونچا دے گا تو اس وقت یقیناً اس کے لطائف میں گرمی اور صفائی پیدا ہوگی۔ اور اس ذکر سے ایسا معلوم ہوگا کہ ایک شعلہ جوالہ ہے جس نے اس کے تمام لطائف کا احاطہ کر کے خط آتشیں کی طرح لمبا ہو گیا ہے۔

## افادہ:۳۔ سلطان الذکر

ذکر نفی واثبات کی خوب مشق کے بعد سلطان الذکر کو عمل میں لائے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر جزء انسانی کے لیے ایک وحدت ثابت ہے اور اس وحدت کی پہچان ہر ایک نام کی تعیین کی شناخت پر مبنی ہے، کل ناموں میں سے ہر ایک کے الگ الگ نام متعین ہیں۔

لہذا وہ جزء ایک طرح سے سارے اجزائے انسان پر مشتمل ہے، اس بناء پر اس کے واسطے ایک زبان بھی مقرر ہے، اور حضرت حق تبارک وتعالیٰ کے ارشاد ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ کے مطابق اس کے تمام اجزاء ذکر الٰہی کرتے ہیں لیکن انسان کو محسوس نہیں ہوتا ہے۔

سلطان الذکر کی حقیقت یہ ہے کہ ایک قسم کے ادراک سے اپنے تمام اعضاء کے اذکار کو معلوم کرے اور ان پر آگاہی واطلاع حاصل کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بدن کی ہر جگہ کو بالعموم لطائف ستہ کے درجہ میں سمجھے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ لوگوں کی نظر لطائف کے مقامات اور تمام بدن پر برابر پڑتی ہے جب وہ لطائف کے مقامات سے ذکر کو پہچان گیا اور اس کی کیفیت پر مطلع ہو گیا تو اسی طرح پر تمام بدن سے ذکر کرے گا۔

## سلطان الذکر کے اثرات

مرشد کو چاہئے کہ سلطان الذکر کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق طالب پر القاء کرے اور اس کا اثر کبھی تو پورے بدن میں واضح حرکت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس طور پر کہ اس کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء اس کے ارادے کے بغیر اپنی جگہ سے منتقل ہونے لگتے ہیں اور کبھی رعشہ کے مانند حرکت ظاہر ہوتی ہے اور کبھی کبھی کپکپی معلوم ہوتی ہے یا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چیونٹیاں اس کے بدن پر رینگ رہی ہیں اور پورے بدن میں سردی اور سبکی محسوس ہوتی ہے، اور کبھی ذاکر کے جسم میں اس قدر ٹھنڈک سرایت کر جاتی ہے کہ سخت گرمی کے وقت میں بھی اسے سردی محسوس ہوتی ہے اور اس کا ہلکا پن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا کہ اس کے تمام بدن سے آلائش کو دور کر دیا گیا ہے، اس شخص کے مانند جس نے کیسا مالی سے غسل کیا ہو، غسل ظاہری میں یہ سبکی صرف جلد پر نظر آتی ہے اور سلطان الذکر میں اندرون سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات خرق عادت کے قبیل سے ہے کہ سخت اختلاج کے مانند اس کا پورا بدن قابو میں نہیں رہتا ہے اور یہ محض کرامت ہے کہ تمام بدن در و دیوار، خس و خاشاک، کانٹوں اور پتھروں سے بلاشبہ ذکر جہری کی آواز سلطان الذکر کرنے والے کو سنائی دیتی ہے، اور پاس والوں کو بھی سنائی دینا بیان کردہ کرامت میں مزید اضافہ ہے، اور کبھی کبھی سلطان الذکر والے کو ایک نور محسوس ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ مرشد کے لیے طالب میں سلطان الذکر وغیرہ کے ذریعہ ذکر لطائف کے وجود کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد خود اپنے آپ کو خالی کر کے اس کی طرف متوجہ ہو، اور اس وقت جو کچھ وہ اپنے اندر پائے، جان لے کہ وہ طالب کے ذکر کا عکس ہے، لہذا اس وقت جو کچھ مرشد میں ظاہر ہو رہا ہو وہی طالب میں ہے، تمام شغل کی کیفیت و کمیت کا پرتو اس پر واضح ہوگا۔

## افادہ:۴۔ شغل نفی

جب سلطان الذکر بیان کردہ طریقہ کے مطابق گرفت میں آجائے اور ارادہ کے وقت بلاتکلف ظاہر ہوجائے تو شغل نفی شروع کرے، اور شغل نفی کے ساتھ شغل یادداشت کو بھی ضم کرلے، اس کے بعد شغل نفی الانفی کو عمل میں لائے، بس سالک پر یا تو توحید صفاتی منکشف ہوگی یا نورانیت کے حجب ظاہر ہوجائیں گے۔

اور امر ثانی مقصد یابی کا طریقہ ہے، بس سالک کو چاہئے کہ ان حجب سے اس طریقہ کے مطابق جسے فصل اول میں بیان کیا گیا آگے بڑھے، اور حجابات کے طے کرنے کے دوران ''مراقبہ صمدیت'' کا اہتمام کرے تاکہ حجب کے آخر تک جس کو نسبت بے رنگی سے تعبیر کرتے ہیں پہونچ جائے، اگرچہ اس طریقہ کی نسبت کو اس دریا کے پانی سے جو آلودگی، خس وخاشاک، ریت اور مٹی سے پاک ہو تشبیہ دیتے ہیں۔

بہرکیف گہری نظر ڈالنے کے بعد کوئی بھی چیز قابل وضاحت نہیں معلوم ہوتی ہے، اور نسبت بے رنگی سے تجاوز کے بعد ذات خالص کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اور سلوک و معرفت اپنے اختتام کو پہونچتا ہے، اور سیر فی اللہ سامنے آتی ہے، اس دوران عمدہ حالات اور عجیب وغریب مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور جس مرشد کے حضور میں طالب سیر فی اللہ میں ترقی کرے گا وہ مرشد اس کو وہاں کے مقامات کے حقائق پر مطلع کردے گا۔

فائدہ:۔ اس طریقہ کے امام حضرت خواجہ بہاء الدین نقش بندی قدس سرہ نے فرمایا ہے

اول ما آخر بر منتہی است　　آخر ما جیب تمنا تہی است

سچے طالب کو چاہئے کہ وہ اسی امر کا متلاشی ہو، جس کو حضرت والا نے جیب تمنا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اور اس کی اجمالی تعریف طالب اپنے عزم وارادے سے خالی ہونا ہے، اور اس کی تفصیل ولایت انبیاء میں ہے۔

# دوسری ہدایت

# متفرق فوائد کے بیان میں

(اس ہدایت کے تحت دو افادات اور ایک فائدہ ہے)

## افادہ:۱۔ شغل دورہ سے مقامات کا کشف

ارواح ملائکہ اور ان کے مقامات کے کشف، زمین و آسمان اور جنت و جہنم کی سیر اور لوح محفوظ پر اطلاع کے لیے شغل دورہ کرے، جس کا طریقہ تفصیل کے ساتھ فصل اول میں گذر چکا ہے، بس اسی شغل کی مدد سے زمین و آسمان اور جنت و جہنم میں سے جس مقام کا ارادہ ہو، متوجہ ہو کر اس مقام کی سیر کرے، وہاں کے حالات معلوم کرے، اور وہاں والوں سے ملاقات کرے، اور کبھی کبھی ان سے گفتگو کا موقع بھی ملتا ہے، اور ان سے صلاح و مشورہ کے ذریعہ آئندہ یا گذشتہ باتوں میں سے کوئی بات یعنی دینی و دنیاوی کاموں میں سے کوئی کام معلوم ہو جاتا ہے۔

## افادہ:۲۔ آئندہ واقعات کے کشف کا طریقہ

معلوم ہونا چاہئے کہ آئندہ واقعات کے کشف کے لیے اس طریقہ کے اکابرین نے متعدد طریقہ قلمبند کئے ہیں، ان میں سب سے بہتر اور اولیٰ طریقہ یہ ہے کہ رات کے تیسرے پہر میں بیدار ہو کر پورے آداب و مستحبات اور انتہائی حضور قلبی کے ساتھ وضو کرے، اور ان

ادعیہ ماثورہ کو جو وضو کے بعد تکفیر سیئات کے لیے مقرر ہیں، کفارہ سیئات کی نیت سے کمال عاجزی کے ساتھ خالق ارض وسماء کے جناب میں پڑھے، اس کے بعد صلاۃ التسبیح پورے آداب ومستحبات کی رعایت اور دل وجسم کے اطمینان کے ساتھ بغایت خشوع وخضوع پڑھے، اور پوری نماز میں خالق کائنات کے دربار میں گناہوں کے کفارے کی دعا اور خطاؤں کی معافی کی التجا کو تہہ دل میں ملحوظ رکھے، اور نماز کے بعد دل کی گہرائی سے تمام معاصی سے توبہ کرے، اور اس حد تک التجا کرے کہ اس کے دل میں خطاؤں کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا گمان پیدا ہوجائے، پھر اسی وقت اشغال طریقت میں سے جس شغل میں مہارت رکھتا ہو، اس میں متوجہ ہو اور اس پورے شغل میں اللہ رب العزت کے دربار میں واقعہ مطلوبہ کے کشف کے لیے التجا کو اپنی نگاہ بصیرت کے سامنے اس طرح پر رکھے، کہ اس کی پوری توجہ اس واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو، بارگاہ خداوندی سے قوی امید ہے کہ اس واقعہ کا انکشاف اوپر سے نزول الہام کے طریقہ پر ہوگا یا تہہ دل سے اس واقعہ کے ظہور کے طور پر ہوگا۔

اور اگر مذکورہ بالا طریقہ سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو، تو چاہئے کہ انتہائی عاجزی کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعا کرے کہ

> ''اے اللہ! میں جاہل ہوں اور تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں واقعہ کے کشف کے لیے اس طریقہ سے کوشش کی مگر مقصود حاصل نہیں ہوا، لہذا اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر ایسا کلام جاری فرمادے، جس سے میں اپنے مقصد کو پالوں''۔

اس کے بعد اپنے کان کو ان آوازوں کی طرف لگائے جو لوگوں سے نیند یا بیداری کی حالت میں صادر ہوتے ہیں، اور فال کے طور پر ان کی باتوں سے اپنی غرض کا استنباط کرے۔

اگر اس طرح سے بھی مطلوب کشف حاصل نہ ہو، تو چاہیے کہ وقت مذکور یعنی سہہ پہر رات میں واقعہ مطلوبہ کے کشف کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کرے، اور ہر رکعت میں تین بار سورہ فاتحہ، تین بار آیت الکرسی اور پندرہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے، اور کے بعد سر سجدے

میں رکھ کر نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ ایک سو ایک بار "یا خبیر أخبرنی" حصول کشف کی نیت سے کہے، اس کے بعد کشف کی دعا کر کے سو جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ خواب میں کسی بھی طرح سے اس واقعہ کا ظہور ہوگا۔ خواہ صراحتا ہو یا اشارۃً۔

## وساوس اور الہام میں فرق

وساوس اور نزول الہام کے درمیان فرق یہ ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں اتر کر ٹھہر جاتا ہے اور وساوس کو قرار وثبات حاصل نہیں، اور اس کے آنے جانے کا کوئی راستہ متعین نہیں ہے، چور اور جیب تراش کی طرح ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے نکل جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کہ کوئی چیز ہے جس نے دل کی ایک جانب میں کچوکہ لگایا اور دوسری بار دوسری جانب میں۔

# چوتھی فصل

# طریقہ مجددیہ کے اصطلاحات کے حل میں

(اس فصل میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے)

## تمہید

### سلسلہ مجددیہ میں لطائف کے مقامات

معلوم ہونا چاہئے کہ طریقہ مجددیہ کے اکابرین مثلاً شیخ عبدالاحد اور اس سلسلہ کے حضرات کے نزدیک مقامات ولطائف اس طرح سے ہیں، لطیفہ قلب کا مقام بائیں سینے کے نیچے اور لطیفہ روح کا مقام داہنے جانب لطیفہ قلب کے برابر میں ہے، اور لطیفہ سر کا مقام دو انگل کے بقدر بائیں سینے کے اوپر مائل بوسط سینہ ہے، اور لطیفہ خفی کا مقام دو انگل کے بقدر داہنے سینے کے اوپر مائل بوسطہ سینہ ہے، اور لطیفہ اخفیٰ کا مقام سینہ کے درمیان میں ہے، اور لطیفہ نفس کا مقام پیشانی کے آغاز میں ہے جو دوسروں کے نزدیک لطیفہ خفی کا مقام ہے۔

### لطائف کو ذاکر بنانا

سب سے پہلے لطائف مذکورہ کو ذکر کے ساتھ جاری کریں اور انہیں ذاکر بنائیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب باادب اور باوضو ہو کر خشوع وخضوع اور انتہائی عاجزی کے ساتھ اپنے مرشد کے سامنے بیٹھے اور خاموش رہے، پوری دلجمعی اور خیالات سے دور ہو کر

زبان وتمام اعضاء کو ہر قسم کی حرکت سے روک کر دل سے اسم مبارک "اللّٰہ" کہے۔

اور مرشد کو چاہئے کہ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ طالب کی تلقین کی طرف متوجہ ہو اور اپنے لطائف میں ذکر کر کے خالص نیت کے ساتھ اس کا القاء طالب کے لطائف میں کرے، اور جب لطائف شگفتہ معلوم ہو جائے تو سلطان الذکر کے حصول کے لیے لطیفہ نفس پر خوب توجہ کرے، لطیفہ نفس پر خوب توجہ دینے سے سلطان الذکر حاصل ہو جاتا ہے۔

## نفی واثبات کے ذکر سے اپنی نفی کرنا

لطائف کے ذاکر ہونے اور سلطان الذکر کے حصول کے بعد اس شرط کے ساتھ کہ غفلت پاس نہ پھٹکنے پائے، "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ذکر کو جو کہ نفی واثبات ہے، عمل میں لائے اور اس ذکر سے مقصود اپنے بدن کی نفی ہے، لیکن تمام عالم کی نفی اس وقت زیادہ آسان ہے جب بدن کی نفی میں دخل رکھتا ہو، اپنے بدن کی نفی کے وقت ضرور پورے عالم کی نفی کو اپنے خیال میں جمانا چاہئے اور اس کے بعد "لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ذکر سے اپنے بدن کی نفی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ "لا" کو ناف سے کھینچ کر دماغ تک لے جائے، اور اپنی نفی ان جگہوں سے جہاں سے "لا" کی گذر ہو، خیال کرے، اور لفظ "الٰہ" کو لطیفہ روح میں پہونچا کر "الا اللّٰہ" کی ضرب قلب میں لگائے، اور لطیفہ روح کے مقام اور بدن کی اس جانب کے تمام حصے کی لفظ "الٰہ" کے ساتھ نفی کرے، اور لفظ "الا اللّٰہ" کے ساتھ لطیفہ قلب کے مقام اور بدن کے بقیہ تمام اجزاء کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کا دھیان کرے، اور اس ذکر اور نفی دونوں کو خیالی قوت سے عمل میں لائے اور زبان سے بالکل تلفظ نہ کرے، اور قوت خیالیہ میں نفی کے تصور کے ساتھ اس ذکر کی مشق وتکرار سے ان شاء اللہ اس کے بدن کی نفی اس طرح مضبوط و پختہ ہو جائے گی کہ اپنے تمام وجود کی نفی بلکہ تمام عالم کی نفی قوت خیالیہ میں ہمیشہ قائم و برقرار رہے گی۔

## دائروں کا مراقبہ

جس وقت نفی کا شغل طالب کے خیال کی تہہ میں جم جاتا ہے، درویشی کے معاملات ظاہر ہونے لگتے ہیں، خصوصا دوائر کا انکشاف کہ ان کا انکشاف شغل نفی کے بغیر کما حقہ متصور نہیں، اور جس قدر نفی زیادہ ہوگی اسی قدر انکشاف زیادہ ہوگا، لہذا مراقبات دوائر سے پہلے نفی کی تکمیل وترقی میں کوشش کرے، اور بدن کو مطلقا نہ پانا کمال نفی ہے، اور نفی کے کمال میں بجز اس چیز کے جو دوائر کے انوار معلوم کرنے والی ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے۔

اس کے بعد نفی النفی اور فناء الفناء کا مرحلہ پیش آئے گا اور وہ مدرکہ چیز بھی باقی نہیں رہے گی اور محض غفلت طاری رہے گی، اور مراقبات دوائر کے ساتھ جب مزید نفی میں کوشش کرے گا اور جس وقت وہ نفس محبت کی انتہاء کمال کو پہونچے گا اسے نفی النفی اور فناء الفناء حاصل ہوگا۔

اگر چہ نفی اور نفی النفی کا شغل اس طریقہ کے بزرگوں کے کلام میں صریح طور پر مذکور نہیں ہے، لیکن دوائر کے انکشاف، معاملات کے ظہور اور انوار کے رسوخ کے لیے اس شغل کا ہونا ضروری ہے، اور رہی بات اس جیسے اشغال کے بارے میں ان اکابرین کا صراحت نہ کرنا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ صرف ان بزرگوں کی قوت تاثیر سے مریدوں پر نفی اور نفی النفی طاری ہوجاتی تھی، لہذا ان کی توجہ نے ان جیسے اشغال سے بے نیاز کردیا تھا، لیکن نفی کے حاصل ہوئے بغیر خواہ وہ نفی صرف شیخ کی تاثیر سے حاصل ہو، خواہ اپنی محنت سے حاصل ہو، دائروں کا انکشاف اور انوار کا رسوخ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

# مقصد

# اکابرین مجددیہ کے الفاظ مستعملہ کی تفسیر

## مراقبہ احدیت

شغل ودوائر کا آغاز ''مراقبہ احدیت'' سے ہوتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کی وحدانیت کا دھیان کرے جو کہ تمام صفات کمال سے متصف ہے، اور اس دھیان کو قلب سے نکال کر اوپر کی طرف رخ کر کے عرش مجید سے بھی اوپر لے جائے تا کہ اس کا اثر ظاہر ہو جائے، اور اس کا اثر دل کی اوپری جانب سے ایک ایسے نور کا ظہور ہے، جو نورانی ستون کے مانند لمبا ہو کر عرش مجید تک پہونچ جاتا ہے، اور اس نورانی ستون کی شعاع تمام جہاں کو گھیر لیتی ہے، بس اس نور کا جوہر وہی نورانی ستون ہے جس کی جڑ دل کی اوپری جانب میں ہے، اور اس کا سرا عرش مجید تک پہونچا ہوا ہے اور اس کی شعاعیں آفاق عالم میں پھیلی ہوئی ہیں، اس نور کا ظہور دائرہ امکان کا آغاز ہے اور اس نور کا عرش مجید تک پہونچنا نصف دائرہ کے حاصل ہونے کی علامت ہے، اور اس سے آگے بڑھنا اس دائرے کی تکمیل کی نشانی ہے۔

اور صرف لمبے نور کا ظہور دائرہ امکان نہیں ہے، کیوں کہ ایسی وسعت وکشادگی جس کا مبدأ اور منتہیٰ مقرر ومتعین نہ ہو، وہی دائرہ کی حقیقت ہے، لہذا دائرہ نہیں ہوگا مگر اس وقت جب کہ نور کی کرنیں ہر طرف سے پھیل کر پورے عالم کو گھیر کر عالم امکان سے تجاوز کر جائے

اور اس کی کوئی حد اور اندازہ نہ ہو۔ اور اس دائرہ کو اس وجہ سے کہ عالم امکان کو گھیر لیتا ہے، دائرہ امکان کہتے ہیں اور سیر قلبی کے دوائر میں سے یہ پہلا دائرہ ہے۔

## ولایت قلبی

دوسرا دائرہ ولایت قلبی ہے جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں، اس دائرہ میں اقربیت کا مراقبہ ہوتا ہے اور اس دائرہ میں دل کے نچلے حصہ میں بھی کشادگی ہوتی ہے اور تمام قلب آفتاب کے مانند ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر جگہ اور ہر جانب سے روشنیاں چمکتی ہیں، اور انوار ہر سمت سے ظاہر ہوتے ہیں وہ دائرہ اوّل کے مانند موجودات ممکنہ سے متجاوز ہو کر لامکاں کی حد میں پہونچ کر غیر متناہی ہو جاتے ہیں، اور دل کی اصل باقی رہتی ہے، ایسا نہیں کہ دل نیست و نابود ہو جاتا ہے اور صرف انوار باقی رہتے ہیں، مگر شاذ و نادر بلکہ دل تمام سمتوں سے انوار کا مصدر و منبع ہوتا ہے۔

اس دائرہ میں اور سابقہ دائرہ میں فرق دو وجہ سے ہے۔

☆ پہلی وجہ یہ کہ سابقہ دائرے میں نور کا منبع صرف دل کا اوپری حصہ ہے، اور اس دائرے میں پورا دل ہے۔

☆ دوسرا یہ کہ سابقہ دائرے میں پھیلا ہوا نور دل کے اوپر والے لمبے نور کی شعاع ہے، اصل اسی قدر ہے جو دل سے ستون کے مانند اوپر کو گیا ہوا ہے، اور بقیہ تمام دائرے سورج کی شعاع کی طرح اسی ستون سے پیدا ہوئے ہیں اور اس دائرہ میں اس دائرہ کا پورا کا پورا اصلی نور ہے، جو دل سے نکل کر پوری دنیا پر محیط ہو گیا ہے بلکہ عالم امکان سے بھی متجاوز ہو گیا ہے، اس دائرہ میں کبھی کبھی توحید کا راز واضح ہو جاتا ہے یعنی پھیلا ہوا وجود جس کے ساتھ تمام ممکنات کا قیام ہے، اسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ تمام ممکنات کے وجود کو ایک ہی سمجھتا ہے اور کثرت کی وجہ سے امتیازات اس کی نظر میں معدوم ہو جاتے ہیں، اور اس کی نگاہ بصیرت صرف اسی پھیلے ہوئے وجود پر پڑتی ہے اور اس وقت دل بالکل فنا ہو جاتا ہے اور صرف نور باقی رہتا ہے۔

## ولایت کبریٰ

تیسرا دائرہ ولایت کبریٰ ہے، یہ ولایت تین دائرے اور ایک قوس پر مشتمل ہے، دائرہ اولیٰ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پاک کی معیت کا مراقبہ کرے، اور مراقبہ اس طرح سے شروع کرے کہ اس کی ذات پاک کو باوجود بے نظیر و بے مثل ہونے اور مکان و جہت سے پاک ہونے کے اپنے نزدیک اور اپنے ہمراہ جانے، اور خود کو اس سے دور اور غائب نہ سمجھے، بلکہ اپنے کاموں میں شریک وشامل تصور کرے، معیت کے واسطے اقربیت ضروری ہے اور اقربیت کے واسطے معیت لازم نہیں ہے، کیوں کہ معیت کے واسطے قرب کے وجود کے ساتھ اعانت و مدد بھی ضروری ہے، جب تک کوئی شخص دوسرے کا معین و مددگار نہ ہو، اس کو اس کے ساتھ معیت حاصل نہیں ہوئی اگر چہ وہ اقرب ہی ہو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ سیر وسلوک میں اقربیت معیت پر مقدم ہے اور جس نے معیت کو اقربیت پر مقدم کیا ہے تو اس نے قرب ومعیت کے ظاہر معنی کو متحد یا متقارب سمجھ کر اقربیت کی زیادتی کے لحاظ سے اسی ترتیب کو اختیار کیا ہے، لیکن سلوک میں فی الحقیقت اقربیت معیت سے پہلے آتی ہے، لہذا اقربیت کا مراقبہ پہلے کرنا چاہئے، اور معیت کا معنی صرف نزدیک اور ہمراہ ہونا نہیں ہے، بلکہ اس لفظ سے اعانت، امداد، کاموں میں شمولیت اور ایک رنگ میں رنگ جانا مفہوم لیا جاتا ہے، اور اس کا مطلب ایسے ہی ہے جیسے فارسی میں لفظ ''ہمراہی'' اور ہندی میں لفظ ''ساتھی'' کا مطلب سمجھا جاتا ہے، اور کلام مجید کی آیتیں اس معنی پر انصاف اور گواہ کے طور پر کافی ہیں۔

☆☆☆ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ﴾ ☆☆☆

☆☆☆ ﴿ إِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴾ ☆☆☆

☆☆☆ ﴿ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ ☆☆☆

## معیت اور اقربیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے استمداد و استعانت کی جگہ میں لفظ مع کا استعمال کیا ہے، لہذا واضح ہوا کہ معیت میں اعانت ضروری ہے، اور اقربیت بغیر اعانت کے بھی ثابت ہوجاتی ہے، اس بناء پر مراقبہ اقربیت، مراقبۂ معیت سے پہلے ہونا چاہئے، ہر حال میں اسی طریقہ پر مراقبہ کرتے ہوئے اس مرتبہ تک پہونچ جائے کہ اللہ رب العزت کی معیت کا دھیان طالب کے ذہن و دماغ میں راسخ ہوجائے۔

اس کے کمال رسوخ کی علامت یہ ہے کہ تنہائی میں بھی خود کو تنہا نہ جانے، مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ تنہائی میں اسے کوئی گناہ پیش آئے تو جس طرح سے وہ لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے اس قدر شرمندہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر گناہ کی طاقت نہیں پاتا ہے، اور اس کے اعضاء و جوارح خود بہ خود اس معصیت کی طرف حرکت کرنے سے باز رہتے ہیں اور سست پڑ جاتے ہیں، اسی طرح سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قرب و معیت کے دھیان کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اور وہ رکاوٹ جو گناہ کے ارادے میں دوسرے کی موجودگی کی وجہ سے پیش آتی ہے وہ رکاوٹ اس دوسرے کے حسب حال کمال و نقصان میں متفاوت ہوتی ہے، مثلاً ایک بازاری اجنبی شخص آجائے تو انسان گناہ کے ارتکاب سے باز آجائے گا، اسی طرح والد، استاد یا واجب الاحترام مرشد یا صاحب اقتدار، منصف اور منتقم بادشاہ سامنے آجائے اور ان کی وجہ سے رکاوٹ پیش آجائے تو ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی رکاوٹ میں اور دوسری رکاوٹ میں کس قدر فرق ہوگا، بلکہ باپ سے رکاوٹ الگ طرح کی ہوگی اور استاد سے رکاوٹ الگ انداز کی ہوگی۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ جو وجوہ عنایات و کمالات کا جامع ہے اور وہ اوصاف جو مخلوقات میں ہیں ان اوصاف کا اس کے اوصاف سے بالکل کوئی جوڑ ہی نہیں ہے، اگر وہ باپ کی شفقتوں سے شرمندہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کے الطاف و عنایات کی کوئی حد ہی نہیں، اور اگر استاد یا مرشد کی تعظیم گناہ سے روکتی ہے تو اللہ رب العزت کی تعظیم کا قیاس کرنا چاہئے کہ اس

کی تعظیم کس قدر ہونی چاہئے اور اگر بادشاہ کی ہیبت گناہ کرنے سے مانع ہوتی ہے، تو انصاف پرور شہنشاہ حقیقی کی ہیبت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس ظاہری بادشاہ سے اس کو کیا نسبت ہے؟

## ولایت کبریٰ کی علامت

اگر وہ جنگل و میدان میں تو خود کو تنہا نہ جانے، اور اگر طاعت کی خلوت میں ہو تو اپنے محبوب و مقصود کو اپنی آنکھوں کے سامنے بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ قریب پائے، اس قدر قریب یقین کرے کہ سراسر انسیت و الفت اسے محسوس ہو، اور وحشت و بے گانگی کا کوئی اثر نہ ہو، جب یہ آثار مرتب ہو جائیں تو معیت کے حصول پر خدا کا شکر ادا کرنے والا ہو اور یہ معیت اس وقت ولایت کبریٰ کی علامت ہوگی جب اس دائرہ کا نور بیان کردہ دونوں دائروں کے انوار کے مانند صفائی و چمک میں پہلے سے بدر جہا زیادہ ہو، اور حقیقت یہ ہے کہ مختلف رنگ کے انوار ذات پاک کے حجب ہیں، جن کا طے کرنا ضروری ہے، بس کمال شغل، دائرہ کی تفاوت اور بارگاہ الٰہی میں طالبین کی قرب و عزت کے اختلاف کے مطابق وہ حجابات طے ہوتے ہیں۔

کسی دائرہ میں کم اور کسی دائرہ میں زیادہ نور ہوتا ہے، تاکہ وہ ذات خالص کا ادراک حاصل کر سکے، اور محبت وغیرہ دوسرے دوائر کے ساتھ دائرہ کے آثار کا ظہور اقربیت کے دھیان کے مانند جس کے آثار سابق بیان کے مطابق واضح ہو جاتے ہیں، اس دائرہ کی تکمیل نہیں ہے اگرچہ اس کا حصول ظنی، انتہائی عجیب اور دلچسپ ہے۔

## نور کا انکشاف اور قرب و معیت

جہاں تک ولایت کی بات ہے جو سلوک سے مقصود ہے تو وہ انوار و دوائر کے انکشاف کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے اور حقیقت دائرہ اپنے کمال کو نہیں پہونچتی ہے، پس تکمیل دو چیزوں سے وابستہ ہے، اول نور کے انکشاف و دریافت اور دوسرا قرب و معیت اور محبت وغیرہ کے آثار کا حاصل ہونا، ہر صاحب دائرہ اپنی عزت و کوشش کے موافق کامیاب

ہوسکتا ہے لیکن صاحب دائرہ سفلی دائرہ علیا والے کے طریقہ پر اپنے مقصود پر فائز نہیں ہوسکتا ہے، مثلاً اگر چہ صاحب دائرہ قلبی کسی مقصد تک رسائی حاصل کرلے، لیکن جس شان سے دائرۂ محبت قلبی والا کامیاب ہوتا ہے اس شان سے صاحب دائرہ قلبی نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے ﴿ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُ ﴾ کا مراقبہ ہے یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات سے اپنی محبت اور اپنی ذات سے اس کی محبت کا مراقبہ کرے، اس مقام میں دو دائرے اور ایک قوس یعنی نصف دائرہ ہے۔

## محبت کے تین درجے

اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ ابتدائے محبت ہے جس طرح سے انسانوں کے درمیان محبت و دوستی کی شروعات ہوتی ہے اور ابتدائے محبت میں محبت کرنے والا اپنا نفع و فائدہ اور محبوب کی رضا وخوشنودی دونوں کا خیال کرتا ہے، اور اپنا پاس اور محبوب کا پاس دونوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، یہ صورت پہلے دائرہ کی ہے۔

اور جب محبت نے ترقی کی اور محبت کی جانب کو نیست و نابودی لاحق ہوئی اور وہ فنا ہونے لگا تو پہلا دائرہ ختم ہوکر دوسرا دائرہ شروع ہوا، اس دائرے میں حق تعالیٰ کی جانب کو اپنی جانب پر بلکہ تمام مخلوقات کی جانب پر مکمل ترجیح حاصل ہوگی، لیکن اس ترجیح سے عقلی و علمی ترجیح مراد نہیں ہے، جو نفع ونقصان کا موازنہ کرکے اور سمجھ کر ترجیح دے بلکہ یہاں وہ ترجیح مراد ہے جو اس کے تہہ دل سے فوارے کے مانند جوش مارے، اور جب نیستی و نابودی اپنے کمال کو پہونچ گئی، اور محبّ کی طرف سے کوئی نشانی باقی نہیں رہی، تو سمجھ لو کہ دوسرا دائرہ پورا ہوکر قوس کا آغاز ہوگیا، اس کا نام قوس اس وجہ سے ہے کہ اس مقام میں نصف ثانی یعنی محبّ کی جانب بالکل نہیں ہے، جب تک قوس کی ابتداء ہے محبّ کی جانب کی فنائیت و نابودی کا خیال نسیا منسیا ہوجائے گا، پھر قوس محبت پوری ہوجائے گی، اس مقام میں فناء الفنا کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

## مراقبہ اسم "الظاھر"

اس کے بعد اسم "الظاھر" کا مراقبہ ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو نام پاک ہیں، ظاہر اور باطن، اور ان دونوں کے بے شمار مظاہر ہیں اور اس کی پاک ذات میں ان دونوں ناموں کے مصداق موجود ہیں، جس قدر معرفت گہری ہوگی اسی قدر مظاہر کی شناخت زیادہ ہوگی اور اس کی پاک ذات میں مصداقوں کا امتیاز بہتر و کامل تر ہوگا۔

اسم ظاہر کے مظاہر تمام جہان، اجسام، افعال اور احکام ہیں، جو تشریع و تکوین میں ظاہر ہوتے ہیں، اور وہ کارخانے جو اس کی رزّاقیت سے متعلق ہیں وہ اس کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے، اسی طرح سے وہ کارخانے جو شان ہدایت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے، کتابیں نازل کرنا، اور انبیاء و مرسلین کی بعثت سے لے کر کلمہ طیبہ کی توفیق تک جو ہر مسلمان سے صادر ہوتے ہیں، دوسرا مظہر ہے۔

اس طرح سے گمراہ کرنے کا مظہر ہے جو ابلیس کی پیدائش سے لے کر ناچ گانے تک ہے، ایسے ہی دو مظہر اور ہیں جو ذکر کردہ دونوں مظہروں پر مترتب ہیں یعنی ثواب و عقاب، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت، دوزخ، قبر اور جان نکلنے کے حالات، آگ، راحت اور خوف و دہشت جو نیک و بد کو خواب میں نظر آتے ہیں۔

غرض اسم ظاہر کے مظاہر کا ملاحظہ کر کے اس اسم مبارک کے مسمّیٰ کا جو کہ اس کی پاک ذات ہے، ملاحظہ و مراقبہ کرے اور وہ یہ نہ سمجھے کہ اتنا دھیان ممکن نہیں، بلکہ اجمالی طور پر نہایت سہل اور آسان ہے اور جب نگاہ بصیرت زیادہ تیز ہوتی ہے، تو اس تیزی کے بقدر تفصیلی ملاحظہ آسان ہوتا ہے، اسی باریکی کے پیش نظر اس مضمون

**" سبحان اللّٰہ عدد خلقه، سبحان اللّٰہ زنة عرشه، سبحان اللّٰہ مداد کلماته "**

کے ساتھ عارف کی تسبیح، غیر عارف کی ہزار مرتبہ تسبیح کہنے کے برابر بلکہ اس سے بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔

اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب الفاظ مذکورہ کے ساتھ تسبیح کہنے والا وسیع المعرفت عارف ہوتا ہے اور اس کا دھیان تمام خلقت کو گھیرے ہوتا ہے تو وہ اپنے دھیان کے موافق مستحق ثواب ہوتا ہے برخلاف غیر عارف کے، کہ اس کو کچھ وسعت نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مراقبہ کی خوب مشق کرے اور جب اس مراقبہ کے فیوض کے موارد جو کہ بالذات لطیفہ نفس اور تتبعاً بقیہ تمام لطائف ہیں، اس کے فیوض سے مستفیض ہوں گے، تو اس مراقبہ کے آثار ظاہر ہوں گے، اور اس کے منجملہ آثار میں فنائے نفس بھی ہے، یعنی اس کا اپنی دانست اور اپنی طرف افعال کی نسبت سے بے خبر ہونا اور اخلاق کا درست ہونا ہے جو کہ بدعادتوں کی نیک عادتوں سے تبدیلی سے عبارت ہے۔

## لطیفہ نفس کو اصل قرار دینے کی وجہ

اس کے فیوض و برکات کے ورود میں لطیفہ نفس کو اصل قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ عقل اسم ظاہر کے مظاہر کا ادراک کرسکتی ہے بخلاف اسم باطن کے مظاہر کے، کہ اس کے لیے بغیر کشف والہام کے اور کوئی راستہ نہیں ہے، اور چوں کہ لطیفہ کا مقام سر ہے جو کہ عقل وشعور کا محل ہے، اس لیے اس لطیفہ کو اسم ظاہر کے مراقبہ کے فیوض کے ساتھ زیادہ خصوصیت حاصل ہوگئی ہے، اور ان آثار کی ترتیب کا سبب یہ ہے کہ اس مراقبہ کی وجہ سے تمام حرکات وسکنات اور اسباب ومسببات کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے صادر ہونا اس طرح سے ذہن میں بیٹھ جائے گا کہ ذرا سی غفلت بھی اس کے پاس نہیں آئے گی، اور امید وبیم اور محبت وخشیت صرف اسی ذات پاک کے ساتھ وابستہ ہوگی اور سالک کی نظر میں غیر کا کچھ بھی اعتبار باقی نہیں رہے گا اور غیر کی حیثیت کاتب کے ہاتھ میں قلم کی مانند ہوجائے گی۔

لہذا عالی ہمت شریف النفس کے لیے صرف اس ذات پاک کی محبت والفت کی

وجہ سے جو اس قدر کمالات کے ظہور کا سبب ہے آثار مذکورہ پورے کے پورے مرتب ہوں گے، اور جو شخص بلند ہمتی و شرافت نفس میں کم درجے کا ہو، وہ محبت و خوف کے سبب سے بعض آثار سے بہرہ ور ہوگا، اور بمقتضائے ﴿ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ﴾ ہر ایک اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔

اور یہ دائرہ بھی اسی وقت پورا ہوگا جب کہ اس کے آثار کے ساتھ ساتھ انوار میں بھی کما حقہ ترقیات ظاہر ہوں، جیسا کہ پہلے مفصل طور پر گزرا، اور اگر یہ دائرہ محبت کے دائروں پر مقدم ہوتا تو بہتر ہوتا، کیوں کہ یہ دائرہ دوائر محبت کو بہت مدد فراہم کرتا ہے، لہذا احسن ترتیب کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ دائرہ دائرہ محبت سے پہلے ہو۔

## اسم "ألباطن" کی سیر

اس کے بعد اسم "ألباطن" کی سیر کرنی چاہئے، اس کا بیان یہ ہے کہ انہی ظاہری چیزوں کے باطن ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نام "ألباطن" سے فیض حاصل کرتے ہیں، اور اس کی مثال انتظام حکومت ہے جو کہ بالکل ظاہر ہے اور اس کا باطن بادشاہ کی عقل و تدبیر ہے، لہذا چاہئے کہ اپنی سمجھ کے مطابق بطون کے مظاہر کو معلوم کر کے اسم باطن کے مسمیٰ کا ان مظاہر میں اس کی سرایت کے اعتبار سے مراقبہ کرے، اور اس ولایت کو ولایت علیا کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ ملأ اعلیٰ کی ولایت ہے اور ملأ اعلیٰ سے مراد معاملات کی تدبیر کرنے اور احکام الہیہ کے اخذ کرنے والے ملائکہ ہیں، جو بھی حکم نافذ ہوتا ہے، پہلے وہ انہیں اخذ کرتے ہیں، پھر وہ دنیا میں ظاہر ہوتا ہے، اور وہ تمام عالم اجسام کے اور ان روحوں کے جو مدبر اجسام ہیں، باطن ہیں، لہذا ان کا اسم "ألباطن" سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

## عناصر انسانی کی فطرت

اس مراقبہ کا فیض اجزائے جسم انسانی میں سے آگ، پانی اور ہوا کو پہونچتا ہے، کیوں کہ یہ تینوں عناصر جسد انسانی میں باطن ہیں، اور مٹی اس میں ظاہر ہے، اس وجہ سے اس

کے فیض کا مورد یہ تینوں عناصر ہیں، اور اس کا اثر صدور آثار میں ان تینوں کا بدلنا ہے، کیوں کہ آگ اپنی حقیقت سے بدلتی نہیں، بلکہ اپنی طبیعت کے مقتضیٰ پر رہتی ہے، اور رہی بات اس کے طبعی تقاضہ کی، تو وہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، مثلاً آگ کی فطرت غلبہ و بلندی ہے جو انسان میں غرور و تکبر پیدا کرتا ہے، اور کبھی کبھی دعوائے خدائی تک پہونچا دیتا ہے، اور ابلیس کے لیے آگ کا مقتضیٰ لعنت کا باعث ہوا، اور اس کو عمیم الرحمت خدا کی بارگاہ سے بالکل ناامید کر دیا، جب وہ آگ اس مراقبہ کے فیض سے مستفید ہوگی تو احکام الٰہی کی فرماں برداری کے تعلق سے بلند عزائم اور اس کی طرف دوڑنے اور سبقت کرنے کی کوشش اس میں پیدا ہوگی۔

ہوا کا مقتضا اخلاق انسانی میں حرص و خواہش ہے، اور اس کا مبدل یہ ہے کہ حرص و خواہش مرضیات الٰہی میں مصروف ہو جائے اور دنیوی زیب و زینت سے دور ہو جائے۔

انسان میں پانی کا اثر سستی، افتادگی اور پستی ہے اور اس کی اصلاح معاصی سے سستی، بارگاہ خداوندی میں بے بسی اور اللہ رب العزت کی عظمت کے سامنے عاجزی ہے، اس سیر میں اسم "ألباطن" کی تجلیات نظر آتی ہیں اور یہ سیر بھی اپنے آثار کے ظہور کے باوجود اسی وقت مکمل ہوگی جب اس سیر کے موافق نورانی حجابات طے کئے جائیں۔

## ذاتی دائمی تجلی کی سیر

اس کے بعد ذاتی دائمی تجلی کی سیر ہے، اور ذاتی تجلی کا معنی ظاہر ہے یعنی ایسی تجلی جس کا منشأ نفس ذات ہے، اور دائمی سے مراد ایسی تجلی ہے جو زمین و آسمان کے مانند قائم و ثابت قدم ہو، اگرچہ اس تجلی کی ثابت قدمی و استقرار میں بے شمار تفاوت ہے، لیکن دائمی سے ظاہری معنی کے علاوہ دوسری چیز مراد نہیں ہے، اور انبیاء و مرسلین اور اولوالعزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلی سے ہے۔

اس سیر کے تین درجے ہیں۔

☆ اول اس لحاظ سے کہ یہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے کمالات کا منشأ ہے، یعنی اس طرح پر علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں سے کسی بھی طرح سے غلطی کا امکان نہ ہو، یہ بات انبیاء علیہم السلام میں مستقل طور پر پائی جاتی ہے اور خواب کی حالت میں بھی ان کا وجود فیض ہدایت کا سرچشمہ ہوتا ہے، اور مخلوق کو ان سے فائدہ پہونچتا ہے، اگرچہ انہیں خبر نہ ہو، لہذا ان کا وجود چراغ کے مانند ہے جس کی روشنی سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے مگر چراغ کو خبر نہیں ہوتی۔

لہذا انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اپنے کام میں مشغول ہیں، اس واسطے ان کے فیوض تجلی ذاتی دائمی سے تعلق رکھتے ہیں، برخلاف فرشتوں کے، جو ہمیشہ ایک کام میں مستغرق نہیں ہوتے ہیں، بلکہ حکم وفرمان آنے کے وقت کوئی کام کرتے ہیں پھر رک جاتے ہیں اور منتظر و مستعد رہتے ہیں، اس لیے ملائکہ کے کمالات کا منشأ تجلی ذاتی ودائمی نہیں ہوتا ہے اور یہ ایسے انوار وتجلیات ہیں، جس میں پیغمبر خدا ﷺ کی پیروی کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

اس سیر کا فیض دو وجہ سے مٹی کو حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ ایک وجہ یہ کہ استقرار وثابت قدمی مٹی کی خاصیت ہے، اس لیے یہ اس سیر کے مناسب ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ بیان کردہ تجلی میں ظہور کا معنی ہے، لہذا ایک طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ سارا جہاں تجلی ذاتی دائمی ہے، اور عالم کا ظہور ظاہر ہے اور عالم کے ظہور سے اس تجلی کا ظہور سمجھ لینا چاہئے۔

اسی طرح عنصر خاک بھی انسان کے اندر نمایاں ہے، خاک کے عنصر میں اس سیر کے فیض کے ظہور کا اثر انسان کے اندر تواضع وفروتنی کا پیدا ہونا ہے، اور اس کا مطلب اپنے مالک کے سامنے عاجزی اور تواضع کرنا، اور اس کے احکام قبول کرنے سے انکار نہ کرنا، اگرچہ امتثال اوامر میں اپنے بدخواہوں پر ایک طرح کی تعلّی ثابت ہوتی ہے۔

اور تسفل جو آگ کی وجہ سے ہے وہ اس تواضع کے علاوہ ہے، کیوں کہ تسفل میں مطلقا اپنی پستی ہے اور تواضع کا معنی دوسرے کے روبرو اور سامنا ہونے کے وقت عاجزی و انکساری اختیار کرنا ہے، لہذا تواضع ایک امر جدید ہے جو ہر وقت پیش آتی رہتی ہے، بخلاف تسفل کے کیوں کہ تسفل ایک ایسا امر ہے جو اپنے صاحب سے کبھی جدا نہیں ہوتا ہے اور جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، ان کے آثار ظہور کا امتیاز کرنا چاہئے، اس لیے کہ کبھی کبھی عقلمند انسان نفسانی صفات میں سے کسی صفت کے تصور کو اس کا حصول سمجھ بیٹھتا ہے، اور وہ گفتگو جو ایک فلسفی حکیم اور عارف کامل کے درمیان ہوئی، اس امر کی وضاحت کے لیے کافی وشافی ہے۔

منقول ہے کہ ایک دانا حکیم اور ایک کامل عارف کے درمیان ملاقات ہوئی اور ملاقات کے بعد کسی شخص نے حکیم کی غیر موجودگی میں عارف سے اس حکیم کے احوال پوچھے، عارف نے جواب دیا کہ وہ اخلاق مند نہیں ہے، لوگوں نے یہ بات حکیم تک پہونچائی تو حکیم نے اخلاق کی وضاحت میں ایک عمدہ اور بہترین کتاب تالیف کر کے عارف کی خدمت میں بھیج دی، عارف نے کہا کہ میں نے یہ کہا ہے کہ اس میں اخلاق نہیں ہیں، یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اخلاق نہیں جانتا، لہذا اس کا جاننا الگ ہے اور اس کا حاصل کرنا الگ ہے۔

کبھی عبادت کی وجہ سے اور کبھی نفسانی بہکاوے اور شیطانی مکر وفریب کی وجہ سے کمالات کا تصور اس کے حصول میں مشتبہ ہو جاتا ہے، اور انسان جہل مرکب کی لاعلاج بیماری کا شکار ہو جاتا ہے، اور یہ بذات خود صریح محرومی کی نشانی ہے، اور وہی حصول معتبر ہے جو دل کی گہرائی سے جوش مارے، نہ کہ زبردستی خود پر اسے روکا جائے اور اس سیر کی تکمیل کے لیے انوار کی تبدیلی بھی ضروری ہے جیسا کہ کئی کئی دفعہ ذکر کیا گیا۔

☆ سیر تجلی کا دوسرا درجہ کمالات رسالت کی بنیاد کے لحاظ سے رسولوں کے خصائص کو سمجھ کر اس بنیاد کی طرف رخ کرے، اور اسی بنیاد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا مراقبہ کرے، وساطت اور سفارت کے لحاظ سے رسالت نبوت سے ممتاز ہے، رسالت کا مطلب خالق ومخلوق کے درمیان توسط وفرستادگی ہے، اور وعظ ونصیحت کرنا، دلائل و براہین

بیان کرنے میں خوب کوشش کرنا، معجزات دکھلانا اور اہل باطل سے مناظرہ ومقابلہ کرنا رسولوں کے لیے لازمی ہے، انبیاء کے برخلاف کیونکہ ان کے لیے مقابلہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

رسول کی بات ان لوگوں کے حق میں جن کی طرف رسول بھیجے گئے، قبول ہوتی ہے کیونکہ یہ منصب رسالت کا لازمی جزء ہے، اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب کسی معتمد اور سچے قاصد کو کسی قوم میں بھیجا جاتا ہے تو اس کی بات اس قوم کی فرماں برداری اور نافرمانی کے سلسلہ میں مانی جاتی ہے۔

☆ مراقبہ کا تیسرا درجہ اولوالعزم رسولوں کے کمالات کے لحاظ سے ہے اور اولوالعزم رسولوں کا دوسرے رسولوں سے امتیاز و برتری کفار ومشرکین کو ہلاک کرنے اور مومنوں کی اصلاح کے باب میں ان کے مضبوط ارادہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے، لہذا کافروں کی ہلاکت میں اولوالعزم رسولوں کا پختہ ارادہ بھی دخل رکھتا ہے، بخلاف دوسرے رسولوں کے جو فقط احوال امت کا اظہار کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ قہر پہ جو کافروں کی ہلاکت کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس کی نسبت سے اعضائے انسانی میں سے کسی عضو کے درجہ میں نہیں ہوتے ہیں، بخلاف اولوالعزم رسولوں کے، جو ملائکہ کے طریقہ پر عضو کے مانند ہوتے ہیں۔

شاید یہ عضو تین صورتوں میں متحقق ہوتا ہے۔

☆ پہلے یہ کہ فرشتہ اور انسان یعنی ذوالعزم رسول وساطت میں برابر ہوں۔

☆ دوسرے یہ کہ اصل فرشتہ ہو اور انسان تابع ہو۔

☆ تیسرے اس کے برعکس ہو۔

یعنی انسان اصل اور ملک تابع ہو، اور یہ تیسری صورت ایک عظیم درجہ ہے جو جناب خاتم الأنبیا ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور اس کا کامل ظہور بدر کے دن ہوا، اور جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خاتم المرسلین ﷺ کی معیت وصحبت کے طفیل اس خصوصیت میں سے وافر حصہ ملا۔

## رسولوں اور انبیاء کا فرق

الغرض رسولوں کا فرق انبیاء سے اور اولوالعزم رسولوں کا فرق دیگر رسولوں سے ان کے مخصوص خصائص کی بناء پر اس سیر کے مراقبہ اور اس کے آثار کے حصول کے لیے ضروری ہے، اور حصول آثار کے سلسلہ میں وہ کلام جو ہر مقام کی سیر کے منتہاء تک وصول کی دلیل ہو، وہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

پہلی بات انوار کا تبدل ہے جو کئی بار مذکور ہو چکا۔

دوسری بات صفات کا تغیر ہے اس کا بھی ذکر پہلے آچکا ہے، اور اس کی تازہ تشریح یہ ہے کہ جس صفت اور شان میں مراقبہ کیا جائے اس صفت اور شان میں سے کسی حصہ کا حاصل ہونا بھی تبدل صفات میں ہے۔ لہذا جو شخص کمالات نبوت کے منتہاء ہونے کی وجہ سے ذات پاک کا مراقبہ کرے گا، اس کو خدا تعالیٰ نبوت کے معانی میں سے کسی معنیٰ پر کہ جس کا ادنیٰ درجہ سچے خواب ہیں، ضرور فائز کر دے گا۔

اسی طرح سے درجہ دوم میں رسالت کا معنیٰ اس پر جاری ہوگا، اور غافلوں، جاہلوں اور سرکشوں کو سمجھانے بجھانے، دعوت و تعلیم اور بحث و مباحثہ کا الہام اس کو ہوگا، اور درجہ سوم میں نافرمانوں اور سرکشوں کو ہلاک کرنے اور فرماں برداروں اور مخلصوں کو نوازنے کے سلسلہ میں قوی ہمت اس کو عطا کی جائے گی، اور اس بات کو علی العموم جاننا چاہئے کہ وہ اسمائے الٰہی میں سے جس اسم کا مراقبہ کرے گا اس میں سے کچھ حصہ وہ پائے گا، جو شخص اس کی رزاقیت کا مراقبہ کرے گا اور اس مراقبہ کو انتہاء تک پہونچائے گا، رزاقیت کی کچھ شان اس میں جلوہ گر ہو جائے گی، اور اس کا باعث اس کریم مطلق کا لامتناہی احسان و کرم ہے، مثلاً سخی اور فیاض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جو بھی شخص کھانا کھانے کے وقت ان کے سامنے ہوتا ہے، اور للچائی ہوئی نگاہ اس پر ڈالتا ہے، تو وہ ضرور اس میں سے کھلاتے ہیں، اسی مثال سے اس بات کو بھی سمجھنا چاہئے کہ جو شخص مثلاً اسم "المحی" کا مراقبہ کرتا ہے، گویا وہ اس کی شان احیاء کے

سامنے کھڑا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کرم واحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ضرور اپنی شان احیائی میں سے کچھ اسے مرحمت فرمادے۔

تیسری بات: اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عنایت ہے، اس کا بیان اس طرح ہے کہ جب برگزیدہ بندہ خدا تعالیٰ کے کسی کام کو بخوبی سرانجام دیتا ہے تو وہ دو چیزوں کا مستحق ہوتا ہے، ایک اجر اور دوسرا انعام، اجر اگرچہ بے انتہا ہو لیکن وہ مزدوری کے درجہ میں ہے اور اس کام کا معاوضہ اور اس کے مناسب ہے، اور انعام خلعت فاخرہ کے قائم مقام ہے، جس کا سبب مولیٰ کی رضا ہے، انسان جب اس سے سرفراز ہوتا ہے، تو کما حقہ دونوں کا امتیاز کر لیتا ہے، انعام کی مثال مستجاب الدعوات ہونا یا ملأ اعلیٰ وغیرہ میں عزت پانا ہے، اور وہ انعام ایسی چیز ہوتا ہے جو ہر کام میں کام آتا ہے، جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار انعام ہے، اور حور وغلمان و قصور اجرت ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ ﴾ صحیح روایتوں کے مطابق ''زِيَادَةٌ'' کی تفسیر رؤیت باری تعالیٰ ہے۔

اور اخیر کے دونوں درجوں کا فیض ہیئات وجدانی انسانی کو پہونچتا ہے، اور کوئی بھی عنصر اور لطیفہ اس فیض کے ورود میں کوئی خصوصیت نہیں رکھتے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جامعیت کے لحاظ سے رسولوں اور اولوالعزموں کے کمالات کی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اور عمومی اجزائے انسانی کی اصلاح ہے، اور تمام اجزائے انسانی ہیئات وجدانی میں ان اصحاب کمالات کے مقصود اصلی ہوتے ہیں، اس لیے ان دونوں درجوں کے فیض کا مورد ہیئات وجدانی ہوتا ہے۔

# نوٹ

کمالات اولوالعزم دوطرف سے طے ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں مرشد کو اختیار ہے جس طرف سے چاہے سالک کو طے کرائے، ایک راستہ تو حقائق الٰہیہ کی طرف جاتا ہے، اور اس سے مراد حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن اور حقیقت صلاۃ ہے، اور دوسرا راستہ حقائق انبیاء علیہم السلام کی طرف جاتا ہے، اور اس سے مراد حقیقت ابراہیمی و حقیقت موسوی اور حقیقت محمدی علیہم الصلاۃ والتسلیمات ہیں۔ (مرتب)

# حقائق الٰہیہ

## حقیقت کعبہ

اس کے بعد حقیقت کعبہ کے لحاظ سے حق تعالیٰ کی ذات کا مراقبہ ہے، اور وہ تمام مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی مسجودیت ہے، یہ بات بالکل ظاہر ہے، اور حقانیت کے ساتھ اس مراقبہ کا مناسب اثر اس سیر کے سائر کا معظم ومکرم ہونا ہے، اور اہل حق اس کی خوب تعظیم کرتے ہیں، اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ورضا کا سبب جانتے ہیں۔

اسی سلسلے سے یہ بھی ہے کہ جو بعض صحابہ کرام کے دل میں خیال گذرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرنا چاہئے اور حضرت آدم علیہ السلام تمام ملائکہ کے مسجود ہوئے اور ان کا قبلہ بنے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بڑے یعنی ان کے والدین اور بڑے بھائیوں نے سجدہ کیا۔

## مراقبہ ذات حق

اللہ رب العزت کی ذات کا مراقبہ حقیقت قرآنی کے ظہور کے لحاظ سے ہے، اس کا منشأ اس کی بے نظیر ذات کی وسعت کا آغاز ہے، اوّلاً بے مثل ذات پاک کی وسعت کا تصور کرنا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذات پاک کی ہمہ گیری کو ظہور افعال کے اعتبار سے یا کسی اور طرز سے ذہن نشین کریں۔

جہاں تک ظہور افعال کے اعتبار سے اس کی ہمہ گیری کے تصور کی بات ہے تو ایسا تصور کریں کہ کائنات میں جو بھی حرکت ظاہر ہوتی ہے، حقیقت میں اس کا محرک وہی ہے،

لہذا اگر چیونٹی کا پاؤں حرکت کرتا ہے تو وہ اسی کی طرف سے ہے، اور اگر فلک الافلاک گردش کرتا ہے تو وہ اسی کی حرکت دینے سے گردش کرتا ہے، اور اگر ہم اس کی تحریک کے طریقہ کو معلوم کرنا چاہیں تو بجز اس کے کہ ہم بے مثل و بے نظیر کہیں، اور ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ کی تلاوت کریں، کوئی دوسری بات ذہن میں نہیں آتی، تو جس طرح سے اس کے افعال اس قدر وسعت رکھتے ہیں کہ تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہیں اسی طرح سے اس کی بے نظیر ذات کی وسعت کو بھی سمجھنا چاہئے، یہ اس کی بے مثال ہمہ گیریت میں سے ایک حصہ کا بیان ہے۔

## کلام الٰہی کی معجز بیانی کی تین وجوہات

اس کے ہر کلام کو بے نظیر وسعت میں ایک اثر جاننا چاہئے، کلام چونکہ ہر چیز کو بیان کرتا ہے، اس وجہ سے وہ اس قدر گنجائش رکھتا ہے کہ معدومات و موجودات سب اس میں سما سکتے ہیں، اور اس وجہ سے کہ خواص تجلی عنہ کا کوئی اثر اس میں نہیں پایا جاتا ہے، اس کو بے نظیر کہہ سکتے ہیں، اور قرآن مجید دنیا کے حقائق پر مشتمل اور مہیمن ہونے کی وجہ سے ایسی وسعت رکھتا ہے اور اس قدر وسیع و عریض ہے کہ علم انسانی کا اس کی منتہا تک پہونچنا ناممکن ہے، اور چوں کہ ازلی حقیقت کا ظہور بے نظیر ہاتھ سے ہے اس لیے وہ بے نظیر ہے۔

☆ اس کی بے نظیری کی دلیل یہ ہے کہ عرب کے متداول حروف و کلمات پر مشتمل ہونے کے باوجود عرب کے فصیح و بلیغ لوگ قرآن کی آیتوں کی طرح ایک آیت بھی اپنی طرف سے پیش نہ کر سکے۔

☆ اس کی دوسری وجہ اس کلام کی ترکیب میں بے نظیر ذات نے بے نظیر باتیں رکھی ہیں، جن کی تہہ تک ہزاروں فصیح و بلیغ لوگ نہیں پہونچ سکتے، اور انسان جو کہ صفت کلام کا خاص مظہر ہے اور ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اسی صفت کی وجہ سے تمام فرشتوں کے معزز ہوئے، جب وہ اس کے مثل ایک جملہ بنانے سے عاجز و بے بس ہو گیا تو غیر کو اس کے بالمقابل گونگا اور بے زبان کہا جا سکتا ہے اور وہ ہرگز قرآن مجید کے مثل دوسرا کلام نہیں پیش کر سکتے۔

☆ ثالثاً: قرآن مجید کی مبدئیت کی وجہ معلوم کرنا چاہئے اگرچہ قرآن مجید غایات و نہایات پر مشتمل ہے، لیکن بجز قرآن کے معرفت کے آغاز کا کوئی راستہ نہیں ہے، مثلاً نوکری جو کہ تمام شاہی عہدوں جیسے بخشی گری، وزارت وصدارت اور امارت وغیرہ کی ابتدا ہے، پس یہی نوکری ہے جو وزارت ہوتی ہے اور یہی نوکری خدمتگاری بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح سے قرآن مجید میں بے نظیر ذات کی ہمہ گیریت کی ابتداء بھی ہے اور اس کی انتہاء بھی، لہذا وہ مبدئیت کے مناسب ہوگیا، اور جب تینوں باتیں ذہن نشین ہوگئیں، تو وسعت بے نظیری کی بنیاد کا معنی جو کہ حقیقت قرآنی کی اصل ہے، سمجھ میں آ گیا۔

پھر وسعت بے نظیری کے لحاظ سے جو کہ حقیقت قرآنی کا منشأ ہے، ذات پاک کے مراقبہ کا شغل کرے، اور اپنے اندر ظہور آثار اور تبدل انوار کو محسوس کر کے بے نظیر وسعت کے کمال کا طالب ہونا چاہئے، اور اس کے آثار میں سے صفائی وستھرائی ہے، جس کو اس سیر کا سائر اپنے اندر پاتا ہے، اور وہ صفائی بے نظیر ذات اور کمال وسعت بے نظیری کے مناسب طرح طرح کی نیاز مندی اور طرح طرح کی تعظیم کی طرف جس کی جامع نماز ہے، اشارہ کرتی ہے۔

## حقیقت نماز

بیان کردہ کمال کے ساتھ حقیقت قرآن کی بنیاد کے لحاظ سے مراقبہ کے بعد حقیقت نماز کی بنیاد کے لحاظ سے مراقبہ کرے اور اس کا اثر مراقب کی انتہائی صفائی و پاکیزگی ہے، لہذا ظاہری نجاستوں میں عین ملوث ہونے کی حالت میں مثلاً بول و براز کی حالت میں وہ اپنے اندر صفائی وستھرائی پاتا ہے۔

## معبودیت کا مراقبہ

اس کے بعد مسجودیت سے قطع نظر جس کو وہ ارکان نماز میں پاتا ہے، صرف معبودیت کا مراقبہ ہے اس مراقبہ کا بیان یہ ہے کہ مثلاً نماز اس لحاظ سے کہ منعم حقیقی اور حاکم

واقعی نے ہم پر فرض کی ہے، اور اس کا تاکیدی حکم دیا ہے، یہ معبودیت مقید ہے، اور اس لحاظ سے کہ عین اس کی ذات اس تعظیم کی مستحق ہے معبودیت محضہ ہے، اور اس کا اثر اپنی عظمت و بزرگی ہے، جس کو وہ اپنے نفس میں بے وجہ اور بے سبب پائے گا، بخلاف اس عظمت کے جس کو اس نے حقیقت کعبہ کے مقام میں پایا تھا۔

(یہاں سیر قدسی تمام ہو جاتی ہے، اور اس مقام پر کلمہ طیبہ "لا معبود الا اللّٰہ" کے معنی ظاہر ہوتے ہیں، اور صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر طرح کی عبادت کا حق اللہ کی احدیت کو ہی ہے، اگر چہ دوسرے اسماء وصفات ہی کیوں نہ ہوں، شرک یہاں بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے) مرتب۔

# حقائق انبیاء

## حقیقت ابراہیمی

اس کے بعد حقیقت ابراہیمی کی بنیاد کے لحاظ سے ذات کا مراقبہ ہے، اس سلسلہ میں مجمل بات یہ ہے کہ ہر صاحب کمال کو اپنے کمال کے پیش نظر اپنے ساتھ ایک انسیت ہوتی ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ صاحب کمال کو خلوت میں کبھی کبھی وحشت پیش آتی ہے اور وہ کامل جب اپنے کمال کا ملاحظہ کرتا ہے تو بجز اس کے کہ کوئی عجب پیدا ہو، وہ اپنے اندر ایک مونس اور رفیق پاتا ہے اور خود سے مانوس ہوتا ہے، اسی طرح سے اس انسیت کا تصور کرے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ ہے۔

کمال ابراہیمی کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی ذات کے ساتھ مانوس ہے، اس کو ملاحظہ کر کے مراقبہ کرے، اور جب یہ مراقبہ اپنی انتہا کو پہونچے گا تو اس مراقب میں خلت کا اثر ظاہر ہوگا اور دوسرے آثار جو بیان کئے گئے انہیں ہر جگہ سمجھنا چاہئے۔

## حقیقت موسوی

اس کے بعد حق تعالیٰ کی ذات کا مراقبہ حقیقت موسویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی بنیاد کے لحاظ سے ہے، اور وہ ذات پاک کی محبوبیت کا مراقبہ ہے، اور محبوبیت کو ہر شخص جانتا ہے ابتداء میں سالک کی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونے اور اللہ تعالیٰ کی سالک سے محبت ہونے کے لحاظ سے محبوبیت کا مراقبہ ہوتا ہے اور اس سیر میں ذات کے ساتھ ذات کی محبوبیت کا مراقبہ ہے، اور یہی حقیقت موسویہ کی بنیاد ہے۔

## خلت اور محبت

معلوم ہونا چاہئے کہ خلت کا مطلب ایسا تعلق ہے جو دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے اور محبت ایک طرف سے ہوتی ہے لیکن خلت سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے، لہذا خلت دوستی کے درجہ میں ہے کہ دونوں دوستوں میں سے ایک کو دوسرے پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور ہر ایک کی عزت وقدر دوسرے کے دل میں ہوتی ہے، اور یہ خلت بڑے بڑے کاموں کی وساطت کی باعث ہوتی ہے، مثلاً بادشاہوں کی نسبت وزراء اور امراء وغیرہ۔

## محبت کے تین درجے

محبت کے تین درجے ہیں۔

☆ پہلا درجہ یہ ہے کہ صرف محبت ہو اور محبوبیت کی سرحد تک کے نہ پہونچا ہو، یہ محبت عزت و وجاہت کے اعتبار سے خلت سے کمتر ہے، اور قرب و دوام حضوری کے اعتبار سے بڑھ کر ہے، جیسے بادشاہ کا خاص آدمی جو خدمت گاری میں نہایت خیر خواہ اور دلسوز ہو، ضرور اسے بڑے امیر کی بہ نسبت قرب اور ہمیشگی کی حضوری زیادہ حاصل ہوگی۔

☆ دوسرا درجہ یہ ہے کہ محبت محبوب کی سرحد تک پہونچ گئی ہو، لیکن محبوب تک نہ پہونچی ہو، حالانکہ محبت کے اعلیٰ درجہ تک پہونچ چکی ہو کہ اگر اس مقام سے جو کہ محبت کی منتہا ہے آگے بڑھے، تو محبوبیت تک پہونچ جائے۔ یہ محبت خلت بھی ہے۔

☆ محبت کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ محبوبیت تک رسائی حاصل ہوگئی ہو، ایسی محبت خلت سے اعلیٰ اور افضل ہے، اور یہی حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی بنیاد ہے، جیسا کہ آگے بیان ہونے والا ہے۔

اور چوں کہ یہاں پر ولایت کے مراتب کا بیان ہے اور ولایت کا دار و مدار قرب اور ہمیشہ حضوری پر ہے اور یہ بات محبت میں خلت سے زیادہ پائی جاتی ہے، اگر چہ کاموں کی انجام دہی اور بڑے بڑے امور کے واسطہ ہونے میں خلت بڑھ کر ہے، لہذا محبت کو خلت کے

بعد بیان کیا گیا، اور اگر محبت کے مقدم ہونے کی یہ وجہ نہ ہو تو دراصل حقیقت ابراہیمی حقیقت موسویہ سے افضل ہے۔

## حقیقت محمدیہ

اس کے بعد محبت اور محبوبیت کے لحاظ سے ذات پاک کا مراقبہ ہے جو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی بنیاد ہے، اس کے بعد محبوبیت کے امتزاج کے بغیر صرف محبوبیت کے لحاظ سے ذات باری تعالیٰ کا مراقبہ ہے جو کہ حقیقت محمدیہ ہے، اس کے بعد صرف محبت کا مراقبہ ہے محبوب یا محبّ کے ساتھ جس کا کوئی تعلق نہیں، اس کے بعد بغیر کسی تعیین کا مراقبہ ہے، اس نیت کے ساتھ کہ اس کی پاک ذات کا ایسا مرتبہ ہے کہ تمام تعبیرات و بیانات اس سے عاجز ہیں کوئی تعبیر و بیان وہاں تک نہیں پہونچ سکتا۔ واللہ اعلم۔

(یہ وہ مقام ہے جو خود محبّ بھی ہے اور محبوب بھی، اور حقیقت محمدی ﷺ کا منشأ بھی ہے، اس مقدس مقام پر فنا اور بقاء حاصل ہوتی ہے، اور دین و دنیا کے سردار رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک خاص اتحاد میسر ہوتا ہے، رفع توسط کے معنی جس کے اکابر اولیاء قائل ہیں اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں، اور یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس صاحب مقام کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ دونوں ایک ہی محبوب کے ہم کنار و ہم آغوش ہیں، اور اس سب کے باوجود اس کو حبیب خدا ﷺ سے ایک خاص قسم کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، اور امام الطریقہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا راز بھی اس مقام میں کھلتا ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ جل شانہ کو میں اس لیے بھی دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا پروردگار ہے''۔ اور اسی مقام پر ہر چھوٹے بڑے اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں حبیب خدا ﷺ کے ساتھ مشابہت اور مناسبت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

## حقیقت احمدیہ

حقیقت احمدیؐ میں اس ذات کا مراقبہ ہے جو آپ ہی اپنا محبوب ہے، اور حقیقت

احمدیؐ کا منشاء بھی یہی ہے، اس مقام پر نسبت کی بلندی انوار کی شعاعوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، اور یہاں محبوبیت صرف کے اسرار منکشف ہوتے ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ تحقیق فرمائی ہے کہ حقیقت کعبہ معظّمہ بعینہ حقیقت احمدی ﷺ ہے، حالانکہ حقیقت کعبہ حقائق الٰہیہ میں سے ہے اور حقیقت احمدیؐ حقائق انبیاء میں سے ہے، لیکن جب بندہ پر حقیقت کعبہ کا ظہور ہوتا ہے تو اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہیں، کہ عظمت اور کبریائی بھی محبوبیت کا خاصہ ہے، اور محبوبیت اور مسجودیت دونوں حضرت حق سبحانہ کے شیونات میں سے ہیں، اس مقام پر محبوبیت ذاتی سامنے آتی ہے جس طرح کہ مقام خلت میں محبوبیت صفاتی ہوتی ہے، اور محبوبیت ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ اپنے محبوب کو اس کی صفات جمیلہ مثلاً خط و خال وغیرہ سے قطع نظر کر کے دوست رکھیں، فقط اس کی ذات میں ایسی بات ہوتی ہے جو موجب تعشق ہوتی ہے۔

## حب صرفہ

اس مقام پر نسبت باطن میں کمال بلندی و بے رنگی ظاہر ہوتی ہے، کیوں کہ یہ مقام بھی حضرت حق سبحانہ سے قریب تر ہے، اور یہ بھی ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مخصوص مقامات میں سے ہے، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک حضرت حق جل مجدہ کے ساتھ جو پہلا تعین نصیب ہوا ہے وہ تعین حب ہی ہے، اور اسی پہلے تعین کو حقیقت محمدی ﷺ قرار دیا گیا ہے۔

ان تمام مراتب کے بعد مرتبہ لاتعین و حضرت اطلاق کا مرتبہ ہے، اور یہ مقام بھی حضرت رسالت پناہ ﷺ کے مقامات مخصوصہ میں سے ہے، یہاں سیر نظری ضروری ہو جاتی ہے۔ (ہدایت الطالین، صراط مستقیم)۔

# دوسری نسبتوں سے استفادہ کا طریقہ

دوسری نسبتوں جیسے مجددیہ، شاذلیہ، شطاریہ وغیرہ سے استفادہ کا طریقہ اس طرح ہے کہ کمالات راہ نبوت ارباب کمال کی بصیرت کی نگاہ کو قدسی سرمہ سے مکمل کرتی ہے، اور اس قدسی کحل کی وجہ سے ان کی نور بصیرت زیادہ تیز ہوجاتی ہے، اور ان کی روح قدسی کھلی ہوئی آنکھ کی طرح ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ وہ جس چیز کی طرف توجہ کرتے ہیں اس چیز کی باریکیوں تک اپنی استعداد کے موافق پہونچ جاتے ہیں، گویا ولایت کی تمام نسبتیں طریقہ نبوت کے سالک کے کمال میں اجمالی طور پر داخل ہوجاتی ہیں، صرف اتنی بات ہے کہ جس چیز کی طرف ان کی توجہ ہوجاتی ہے، اس چیز کی حقیقت پوری شرح وبسط کے ساتھ نگاہ بصیرت کے سامنے حاضر ہوجاتی ہے۔

تم یہ نہ سمجھو کہ اس کلام سے مقصود طریقہ نبوت کے سالک کو طریقہ ولایت کے تمام اماموں پر فضیلت حاصل ہے، بلکہ اس خامہ فرسائی سے مقصود یہ ہے کہ راہ نبوت کے سالک کے اندر ایک نور قدسی پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر صاحب نسبت کی نسبت کا ادراک کرسکتا ہے۔

جیسے آنکھ کے خانہ میں قوت باصرہ رکھی ہوئی ہے کہ جس قوت کی وجہ سے وہ ہر روشن مجسم چیز کو اپنی بینائی کی مضبوطی اور اس کی کمزوری کے بقدر کو معلوم کرتا ہے، اگرچہ اس تابندہ مجسم چیز کی روشنی آنکھ کی روشنی سے زیادہ اعلیٰ اور قوی ہو۔ واللہ اعلم۔

اور جہاں تک مبادی کے حصول کی بات ہے تو جاننا چاہئے اشغال، اذکار، مجاہدات

اور مراقبات کا مقرر کرنا درحقیقت تشریع کا سایہ ہے، اور جو شخص قرب فرائض کے مقام میں قائم ہوتے ہیں اگر وہ بزرگوار انبیاء علیہم السلام کی قسم سے ہوتے ہیں تو ضرور نئی شریعت والے ہوتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ تک پہونچانے والے طریقوں کا تعین ان کے مزاج کی گہرائی سے فوارے کی طرح جوش مارتا ہے، اس میں تعلیم وتعلم کی کوئی گنجائش نہیں ہے

## فائدہ

ان چند سطور میں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے معاملات و واقعات کے اجمالی اشاروں پر مشتمل ہے، بہت زیادہ فوائد اور از حد منافع ہیں، انہیں فوائد کثیرہ میں سے جو کچھ شروع کلام میں لکھا گیا اور انہیں میں سے تحدیث نعمت الٰہی کا اظہار ہے کہ اس میں حکم خداوندی ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ کی تعمیل ہوتی ہے اور انھیں فوائد سے غافلین کو خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے کہ جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا طالب ہو اور اس کی طلب، طلب صادق ہو تو وہ منزل مقصود تک پہونچ جاتا ہے، اور انہیں منافع میں سے زمانہ کے جہلاء کی تنبیہ ہے جو ولایت کو عقلی لحاظ سے ناممکن سمجھ کر اور اس کو امت کے سابقین اولین پر منحصر جان کر سلسلہ نبوت کے انقطاع کی طرح اس کے اختتام کے قائل ہو گئے۔

والسلام علی من اتبع الهدیٰ

والحمدللّٰه أوّلا وآخرا ۔و ظاهر و باطنا ، و صلی اللّٰه علی خیر خلقه محمد وعلی اله وصحبه وسلم

☆☆☆☆☆☆☆

# حضرت سید احمد شہید کے اوراد وظائف

## کشف قبر کا طریقہ

حضرت کے خادم خاص میاں دین محمد بیان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت سید احمد شہید نصیر آباد میں قیام پذیر تھے، وہاں ایک باغ میں سادات کا گورستان تھا، وہاں کئی آدمیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور دعا کی، اس پورے گورستان میں کچھ دیر تک پھرتے رہے، پھر ایک قبر پر بیٹھ کر مراقبہ کیا، جب اٹھے تب فرمایا کہ اور تو یہاں سب لوگ جو مدفون ہیں، اپنے اپنے حال میں خوش وخرم ہیں، مگر جو صاحب قبر اس میں ہیں ان کو ایک قسم کا عذاب ہے، آپ نے ان کا نام بتایا اور فرمایا: ان کو بھی سب طرح کا چین وآرام ہے، قبر بھی روشن اور کشادہ ہے اور وہ لباس بھی نفیس پہنے ہیں، مگر ایک کالا سانپ منہ میں کاٹ رہا ہے، اس کی ایذا سے وہ ہر وقت پڑے رہتے ہیں، اٹھنے کی طاقت نہیں ہے اور اس عذاب کا دفع ہونا اللہ تعالیٰ نے میری دعا پر موقوف رکھا ہے، ان بزرگ سے جب ملاقات ہوئی تب بہت خوش ہوئے، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری قسمت سے یہاں پہونچایا، آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس بلا کو دور کرے، آپ کی زبان ہدایت بیان سے یہ حال سن کر ان کے خادم میاں دین محمد اور ایک ساتھی شیخ صلاح الدین پھلتی نے پوچھا کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی یہاں مراقبہ کر کے کچھ حال دیکھیں، آپ نے فرمایا: کیا ضرورت؟ ان باتوں میں فائدہ تو کم ہوتا ہے مگر نقصان زیادہ۔

انہوں نے بتکرار کئی بار عرض کیا، تب آپ نے فرمایا: خیر جب ہم چلے جائیں تب تم دونوں بیٹھنا اور مراقبہ میں

"سبوح قدوس ربنا و رب الملائکة والروح"

جب تک کچھ معلوم نہ ہو یہی پڑھتے رہنا، پھر آپ وہاں سے تشریف لے گئے، اور ہم دونوں وہاں بیٹھ کر مراقبہ میں مشغول ہوئے، آخر میں دیکھا کہ زمین سے کچھ بلندی پر ایک فرش سفید بچھا ہے، اس پر وہ بزرگ سفید پوشاک پہنے لیٹے ہیں، اور ایک بڑا سیاہ سانپ ان کے منہ میں اپنا منہ لگائے کاٹ رہا ہے، میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ یہ سید صاحب کی محبت کا اثر ہے جو تم یہاں تک آئے، ورنہ ہر کسی کو یہاں تک پہونچنا دشوار ہے، اور مجھ کو دیکھ کر کمال خوش ہوئے اور کہا کہ جناب سید صاحب سے میرا اسلام کہنا اور یہ عرض کرنا کہ میرے واسطے دعا کریں، پھر میں مراقبہ سے فارغ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، اور شیخ صلاح الدین بھی اٹھے، وہاں سے ہم دونوں حضرت کے پاس آئے، آپ اس وقت مسجد کے غسل خانے میں کھڑے تھے، ہم کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ کہو کچھ دیکھا، ہم دونوں نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا اور ان کا سلام اور پیام پہونچایا، وہاں سے ہم مسجد میں آئے، دوسرے دن نماز فجر کے بعد آپ نے فرمایا: اب تم دونوں پھر جاؤ اور وہاں مراقبہ کر کے ان کی خبر لاؤ، ہم دونوں نے پھر جا کر ان کی قبر پر کشف قبور کا مراقبہ کیا اور ان کو دیکھا کہ اسی فرش پر خوش و محظوظ بیٹھے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے وہ سانپ ان سے دور کر دیا، میں یہ حال خیر مآل دیکھ کر اٹھا اور شیخ صلاح الدین بھی اٹھے، وہاں سے ہم دونوں حضرت کے پاس آئے، آپ نے حال پوچھا ہم دونوں نے جو دیکھا تھا عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ خیر بہتر ہوا مگر یہ حال کسی سے ذکر نہ کرنا، دوسرے روز آپ وہاں سے تکیہ چلے آئے۔

## تعلقات درست کرنے کا وظیفہ

حضرت سید احمد شہید اپنے دعوتی سفر میں بنارس تشریف لے گئے، بنارس کے جولاہوں میں لال محمد نامی شخص بہت خوشحال، صاحب مال اور اپنی برادری میں نامور تھے، ایک روز وہ حضرتؒ کو اپنے مکان پر لے گئے، وہاں ان کی برادری کے تقریباً دو ہزار لوگوں نے

حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر حضرت وہاں سے مسجد میں جا کر بیٹھے، تب لال محمد نے عرض کیا کہ ہم اتنے لوگوں نے تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے، اس شہر میں ہم لوگوں کے ہزاروں گھر ہیں مگر اکثروں کے درمیان مخالفت اور نا اتفاقی ہے، اگر آپ کی کوشش سے کسی طرح ان میں اتفاق اور ملاپ ہو جائے تو بہت خوب ہو، اور ان سب میں دو شخص بڑے نامی مالدار اور جتھے والے ہیں، ایک دین محمد دوسرے اللہ رکھو، دونوں میں نہایت بغض وعداوت ہے، اگر ان دونوں میں ملاپ ہو جائے تو سب میں اتفاق اور صلح ہو جائے، اور ہزاروں آدمی راہ راست پر آ جائیں۔ آپ نے فرمایا: بھائی صاحب! یہ بات تو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اختیار میں ہے، میرے قابو کی نہیں ہے۔ میرے اختیار میں جو بات ہو اس کے لیے میں حاضر ہوں، انہوں نے عرض کیا کہ آپ ان کے واسطے دعا کریں، آپ نے فرمایا: بسم اللہ یہ میں کر سکتا ہوں، آگے قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔

آپ نے ننگے سر ہو کر بہت دیر تک دعا کی اور سب لوگ آمین آمین کہنے لگے، جب آپ دعا سے فارغ ہوئے، تب لال محمد نے پھر عرض کیا کہ دین محمد اور اللہ رکھو تو مجھ سے موافق ہیں، ان سے اور مجھ سے کچھ مخالفت نہیں، مگر میرے محلّہ میں ایک شخص یارو نامی بڑا نامی اور مالدار ہے اس سے اور مجھ سے بگاڑ ہے، اس کے لئے بھی آپ دعا کریں میرے اور اس کے درمیان صفائی ہو جائے، آپ نے فرمایا: ہم تم کو کچھ بتا دیں گے وہ پڑھا کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان ملاپ ہو جائے گا، لال محمد نے عرض کیا کہ حضرت میں امّی آدمی ہوں مجھ کو پڑھنا لکھنا کچھ نہیں آتا، آپ نے دیر تک سکوت کر کے فرمایا کہ خیر تمہارے پڑھنے کے لائق بتاتے ہیں، اور اس کو چالیس روز تو پڑھنا چاہئے اور اتنے روز ہمارا یہاں رہنا نہیں ہو سکتا، اور ہم کو منظور ہے کہ ہمارے رہتے رہتے تمہارے اور یارو کے درمیان صفائی ہو جائے تو بہتر ہے، تم ساٹھ روز تک نماز تہجد کے بعد پڑھو، ان شاء اللہ اسی مدت میں مطلوب تمہارا حاصل ہو جائے گا، وہ پڑھنا یہ ہے کہ تین سو اکتالیس (۳۴۱) بار اللّٰہ الصمد اور اول و آخر سات سات بار درود پڑھو۔ لال محمد نے کہا کہ ہاں یہ تو میں پڑھوں گا، اس وقت

ان کی برادری کے جولوگ وہاں حاضر تھے، یہ سن کران ہی میں سے کئی لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہوتو ہم بھی اسی مطلب کے لیے اس کو پڑھیں، آپ نے ان کو بھی اجازت دی، اور وہاں سے مکان پر چلنے کا ارادہ کیا، لال محمد نے عرض کیا کہ کل میرے یہاں آپ کی دعوت ہے، آپ نے فرمایا: ابھی نہیں، جب تمہارے اور یارو میں ملاپ ہوجائے تب دعوت کرنا، اور جو دعوت کرے گا اس کی دعوت کھائیں گے، اس وقت کسی نے بطور نذر گلبدن، مشروع وغیرہ کے تھان دیئے، کسی نے نقد روپے دیئے، وہ سب آپ نے قبول کئے، اس کے بعد وہاں سے جائے اقامت پر تشریف لائے۔

## شہر بنارس کی تاریکی

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ دعوتی سفر میں جب بنارس کے قریب پہونچے، اپنے ساتھیوں سے فرمانے لگے، اس شہر میں بہت تاریکی معلوم ہوتی ہے، لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا کہ یہاں کفر وشرک بہت ہے، اور سحر واستدراج کا یہ مرکز ہے، اس وجہ سے یہ تاریکی اور نحوست ہے، حضرت نے ایک مہینہ بنارس میں قیام فرمایا، اس زمانہ قیام میں آپ نے تمام رفقاء کو ذکر سری و جہری کی برابر تاکید فرماتے رہے، کہ یہ شہر کفر وشرک کی ظلمتوں سے بھرا ہوا ہے، اس کو اپنے ذکر کے انوار سے منور کردو۔ ایک ہفتہ میں ہی بہت سے ہندوؤں کے گرو اور جوگی حاضر خدمت ہوئے اور بصد ادب واحترام عرض کیا، کہ آپ کی آمد کی وجہ سے ہمارا سارا سحر وشیطان کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا ہے، اور ہمارا گیان دھیان معطل ہوگیا ہے، اور جب تک آپ یہاں رہیں گے وہ جاری نہیں ہوگا، آپ نے ان کو دعوت اسلام دی، لیکن ان کی شامت اعمال نے ان کو ایمان کی دولت سے محروم رکھا۔ (مخزن احمدی)

## دنیا وآخرت کی فلاح کا بہترین نسخہ

مرزا پور کے سفر میں حضرت کی ملاقات ناگور کے ایک میاں جی خدا بخش سے ہوئی وہ لڑکوں کو قرآن پڑھاتے تھے، انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ میرے واسطے دعا

کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو اور دین و دنیا میں مجھ کو فلاح دے۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ تم تو خود میاں جی ہو اور تم کو معلوم ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خزانہ ہے اسی میں سے کوئی آیت پڑھا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ بیشک قرآن مجید نعمتوں کا خزانہ ہے، مگر آپ جس آیت کی اجازت دیں میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ گیارہ سو بار اور گیارہ گیارہ بار اوّل و آخر درود پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا مقصود دنیا کا پورا کرے گا اور فلاح آخرت کے واسطے ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِن رَّبٍّ رَّحِيمٍ﴾ پڑھا کرو۔

وہاں مرزا پور کے شیخ عبداللطیف صاحب کی مسجد کے امام صاحب بھی حاضر تھے، یہی سوال انہوں نے کیا، اور امام صاحب کے ایک بھائی نے بھی اس بات کی درخواست کی، آپ نے دونوں کو اجازت دی کہ تم بھی یہی وظیفہ پڑھا کرو، تمہارا بھی مقصود اللہ تعالیٰ بر لائے گا۔ پھر ان سب نے کہا کہ اب آپ دعا کریں، آپ ننگے سر ہو کر دعا کرنے لگے اور سب حاضرین مجلس آمین کہنے لگے، دعا کے بعد آپ وہاں سے اپنے جائے قیام پر تشریف لائے۔

## زکوۃ کی ادائیگی ضروری ہے

مرزا پور میں شیخ عبداللطیف نامی ایک نامی گرامی سوداگر تھے، ان کی ہندوستان کے مختلف شہروں میں ستائیس کوٹھیاں تھی، حضرت نے سفر حج کے دوران مرزا پور میں شیخ کے گھر قیام فرمایا، ایک دن صبح کی نماز پڑھ کر شیخ ممدوح کے باغ میں تشریف لے گئے، اس باغ میں نیبو، نارنگی، امرود، کیلے وغیرہ کا باغ تھا، نماز کے بعد حضرت کو وہاں لے گئے، وہاں انہوں نے ایک پختہ مکان بنوایا تھا اس میں بٹھایا، اور اس باغ کے امرود لا کر آپ کے روبرو رکھے، آپ نے اپنے لوگوں میں تقسیم کرا دیئے۔

اس کے بعد شیخ عبداللطیف نے اس باغ کی زمین کا حال بیان کیا کہ اس طرح کی زمین ناکارہ اور خراب ہے کہ صد ہا روپے میں نے اس باغ پر خرچ کیے، اس کے درخت رونق

نہیں پکڑتے ہیں اور نہ خدمت کے موافق بڑھتے ہیں، اس میں نوکروں کے خرچ کا بھی حاصل نہیں ہوتا، میں نے بڑے شوق سے اپنی والدہ کے نام کا باغ لگایا تھا اس کے گردوپیش بھی باغ ہیں، ان کی بھی زمین کا یہی حال ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس کے واسطے دعا کریں۔ یہ گفتگو سن کر آپ وہاں سے اٹھے اور ادھر ادھر چہل قدمی کرنے لگے، اور مالیوں سے پوچھنے لگے کہ تم کتنی مدت سے اس باغ کی خدمت کرتے ہو، اس باغ کی زمین تو بہت اچھی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ یہ باغ تو ہمارے ہی ہاتھوں کا لگایا ہوا ہے، تب سے ہم خدمت کرتے ہیں۔ آپ نے شیخ عبداللطیف سے کہا کہ اس زمین میں تو کچھ نقصان نہیں معلوم ہوتا، بات یہ ہے کہ تم اس کی زکوٰۃ نکالو، انہوں نے پوچھا: اس کی زکوٰۃ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سال جو کچھ اس کا میوہ پیدا ہو، وہ سب مسکینوں محتاجوں کو بانٹ دو، اس کے بعد دوسرے سال سے جو میوہ پیدا ہوا کرے اس کو اپنے صرف میں لایا کرو، مگر اس میں کچھ تھوڑا دیا کرنا، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ اس باغ کا حال دیکھنا کہ اس کے گردوپیش کے باغ والوں کو تعجب ہوگا کہ یہ وہی باغ اور زمین ہے یا کوئی اور، بلکہ تم سے پوچھیں گے کہ تم کیا خدمت کرتے ہو جو تمہارا باغ اس طرح کا سرسبز اور تازہ ہوگیا؟ شیخ صاحب نے آپ کے فرمان کو قبول کیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کروں گا۔ پھر آپ وہاں سے کشتی پر تشریف لائے۔

## زکوٰۃ کی ادائیگی سے باغ سرسبز ہوگیا

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جب سفر ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے تو ان کے سفیر اور خادم دین محمد صاحب ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے مرزا پور میں شیخ عبداللطیف کے یہاں بھی پہونچے، وہ بتاتے ہیں کہ شیخ عبداللطیف مجھ کو اپنے باغ میں لے گئے اور ہنس کر کہا کہ بھائی دین محمد! یہ وہی باغ ہے کہ اس زمانہ میں تم نے دیکھا تھا کہ ہر ایک درخت پژمردہ اور بے رونق تھا اور جو درخت اس زمین میں بٹھایا جاتا تھا سرسبز نہ ہوتا تھا، اور اب اس کا یہ حال ہے کہ ہر درخت سرسبز اور شاداب اور بارونق ہے، اور جو درخت اس

زمین میں بویا جاتا ہے تھوڑی سی خدمت میں جلد تیار ہوجاتا ہے، اور ہر قسم کا میوہ نیبو، نارنگی، سنگترہ، امرود، شریفہ، کیلا، آم، جامن وغیرہ بافراط ہوتا ہے، دوسرے باغوں کے مالی مجھ سے آکر اکثر پوچھتے ہیں کہ تم کیا خدمت کرتے ہو کہ تمہارا باغ اس طرح کا ہوگیا؟ میں ان سے کہتا ہوں کہ خدمت تو وہی ہے جو تم سب اپنے باغوں کی کرتے ہو، مگر اس کے واسطے ہمارے پیرومرشد نے دعا کی تھی اسی برکت کا یہ اثر ہے، میں جب تک اس شہر میں رہا، وہ کئی بار مجھ کو اس باغ میں لے گئے اور اس موسم کے سب میوے کھلائے۔

شیخ جی کے یہاں میاں جی خدا بخش جو مسجد کے امام تھے، ان کو جو دیکھا تو اپنے گھر سے بہت خوشحال اور فارغ البال تھے، شیخ موصوف نے اپنے روپوں سے ہزار روپے کی تجارت ان کے لئے الگ مقرر کر رکھی تھی کہ سال بھر میں جو کچھ نفع ہو، اس میں نصف نصف دونوں تقسیم کرلیں، وہ دونوں صاحب کہتے تھے کہ کسی سال ڈھائی سو روپئے نفع ہوتا ہے اور کسی سال پانچ سو، ہم دونوں آدھے آدھے بانٹ لیتے ہیں، اس میں ہمارا بخوبی گذارا ہوتا ہے۔

## ادائیگی قرض کے لیے مجرب عمل

شیخ غلام علی الہ آبادی حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جاں نثاروں میں سے تھے، حضرت کے پہلے سفر الہ آباد میں آپ نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور ان کے اندر بڑی تبدیلی آگئی تھی، سفر حج کے دوران جب حضرت سید صاحب کا الہ آباد میں رکنا ہوا، تو ان کا قیام شیخ غلام علی صاحب کے یہاں تھا، انہی ایام میں ایک روز شیخ صاحب اپنے بنگلہ میں حضرتؒ سے اپنے کارخانے کی کچھ باتیں کر رہے تھے، اس میں شیخ صاحب کے کچھ خاص لوگوں نے باتوں باتوں میں حضرت سے کہا کہ شیخ صاحب کوئی سوا لاکھ روپے کے قرضدار ہیں، اور اس قدر ان کا عالیجاہ کارخانہ ہے۔ یہ بات سن کر حضرت نے شیخ صاحب سے کہا: یہ کیسی بات ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں بات تو یوں ہی ہے یہ سچ کہتے ہیں، آپ نے فرمایا: اتنا لمبا چوڑا اپنا خرچ کیوں رکھتے ہو، یہ تو بہت بے جا بات ہے، شیخ صاحب تو نہ بولے دوسرے لوگوں نے کہا کہ

حضرت! آپ ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کا قرض ادا کردے، یہ سن کر آپ دیر تک سکوت میں رہ گئے، اس کے بعد فرمانے لگے کہ شیخ بھائی! یہ بات آپ ہم سے اور کسی وقت پوچھ لیں، کچھ دیر کے بعد وہاں سے اپنے مکان پر تشریف لائے۔

اگلے روز نماز فجر کے بعد ان کے بنگلہ پر گئے اور وہاں الگ بیٹھ کر شیخ صاحب سے کچھ باتیں کیں، اس کے بعد آپ علیہ الرحمۃ اور شیخ صاحب وہاں سے اپنے لوگوں میں آکر بیٹھے اور سب سے کہا کہ بھائیو! شیخ صاحب کے واسطے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کا قرضہ ادا کردے اور ننگے سر ہوکر آپ دعا کرنے لگے اور سب لوگ آمین آمین کہنے لگے، دعا کے بعد شیخ صاحب سے فرمایا:

''اس سفر حج میں ہم کو کم وبیش تین برس لگیں گے، ان شاء اللہ ہمارے آتے آتے تمہارا قرضہ ادا ہوجائے گا، یا قدرے قلیل کچھ باقی رہ جائے، اور ایک عمل مجرب ہم تم کو بتلا دیں اگر اس کو کرو تو بہت خوب ہو، اور وہ عمل پورا نہ ہونے پائے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا مطلب پورا ہوجائے، وہ یہ ہے کہ سوا لاکھ بار سورۂ مزمل پڑھو جتنے روز میں ہوسکے، اس طور سے کہ ہر روز اوّل وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود اور سورہ فاتحہ پڑھو، اور بیچ میں جس قدر پڑی جائے سورہ مزمل پڑھو، اور جہاں پڑھو وہ جگہ پاک ہو اور جو پوشاک پہنے ہو وہ بھی پاک ہو اور کپڑوں میں خوشبو لگایا کرو اور قبلہ رو ہوکر پڑھو، اور جو خوشبو نہ ملے تو یوں بھی کوئی مضائقہ نہیں، اور جب تک یہ ختم پورا نہ ہو تب تک اس میں یہ شرط ہے کہ کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو، صحبت بد میں نہ بیٹھو اور گوشت بھی نہ کھاؤ، اگر ان منہیات سے کوئی بات کروگے تو جسمانی بھی نقصان ہوگا اور یہ عمل بھی اثر نہ کرے گا، اور اگر چاہو کہ توبہ کرکے پھر شروع کرو تو سات برس تک کچھ نہیں ہونے کا، سات برس کے بعد اگر پڑھو تو شاید اثر کرے اور اگر

نہ کرے تو بھی عجب نہیں"۔

یہ تمام گفتگو سن کر شیخ صاحب نے عرض کیا کہ مجھ کو تو فالج کی بیماری ہے، مجھ سے تو اس امر کا ہونا دشوار ہے، اگر آپ فرمائیں تو کسی اور سے پڑھوالوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے مگر جو کچھ اپنے پڑھنے میں خیر و برکت اور تاثیر ہے وہ غیر کے پڑھنے میں نہیں ہوگی۔

## مرگی کا علاج

حکایت۔ شیخ فرزند علی صاحب کا ایک مرغ باز تھا، اس کے بیٹے کو مرگی آتی تھی، کئی بار وہ گنگا میں گر پڑا، غیر لوگوں نے نکالا، ایک روز اس لڑکے کو حضرتؒ کے پاس لایا اور اس کی بیماری کا حال بیان کیا، آپ نے اس لڑکے کو اپنے پاس بٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس کے باپ سے پوچھا کہ اس کو کتنے دنوں سے یہ عارضہ ہے؟ اس نے کہا، کچھ کم چار برس سے۔ آپ نے فرمایا: ایک سبز مکھی کو پیس کر دو تین بار بطور ناس کے اس کی ناک میں ڈال دو، ان شاء اللہ تعالیٰ عارضہ جاتا رہے گا، اور ہم اس کے لیے کسی وقت دعا بھی کریں گے۔ اس کو سبز مکھی کا دوا یا تین بار ناس دیا، تو اس کی مرگی بالکل جاتی رہی۔

## آنکھ کی دوا نے حالات بدل دیئے

حکایت۔ ایک روز حضرت علیہ الرحمۃ منشی صاحب کے باغ میں لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، اس دوران ایک شخص آئے اور سب کے ساتھ انہوں نے بیعت کی، کچھ دیر میں فرصت پا کر انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے وطن شریف کے ضلع کا رہنے والا ہوں، اور اپنی بستی کا نام بتایا مگر مجھ کو یاد نہ رہا، اور کہا کہ میں نے سنا تھا کہ کوئی پیرزادے صاحب رائے بریلی سے تشریف لائے ہیں، اور لوگ ان سے بیعت کرتے ہیں، مجھ کو خیال ہوا کہ چل کر دیکھوں کہ کوئی صاحب حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے خاندان سے تو نہیں ہیں، میں یہاں آپ کی ملاقات کو آیا، سو لوگوں سے معلوم ہوا کہ آپ اسی خاندان ہدایت نشان سے ہیں، حضرتؒ نے ان سے پوچھا کہ تم اپنے گھر کے کتنے آدمی ہو؟ اور اس شہر میں کتنی مدت سے

رہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایک میں ہوں، ایک لڑکا اور ایک میری بیوی ہے فقط، اور میں بیس بائیس برس سے یہاں ہوں، اور اپنی تنگدستی اور مفلسی کا حال بیان کیا اور کہا کہ حضرت کچھ میری تقدیر کی بات ہے کہ جو پیشہ یا مزدوری کرتا ہوں کچھ خیر و برکت نظر نہیں آتی اور تنگدستی نہیں جاتی ہے، اور یہ شہر ایسا ہے کہ اس میں ہر کوئی آسودہ حال اور روزی سے فارغ البال ہے، میں اپنے خیال سے جانتا ہوں کہ مجھ جیسا کوئی مفلس اس شہر میں کم ہوگا، اور اسی طرح کی بہت باتیں انہوں نے کی، آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے واسطے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری روزی میں برکت کرے اور عاقبت بخیر ہو، آپ نے فرمایا: تم تو ہمارے وطن کے قریب کے نکلے، اب تم یہاں ہر روز آیا کرو، یہ سب لوگ تمہارے بھائی ہیں، کسی روز ہم تم سے کچھ کہہ دیں گے۔ وہ اس روز سے آنے لگے، اور کھانا بھی اکثر اوقات ہم لوگوں کے ساتھ کھانے لگے۔

ایک روز حضرتؒ نے ان سے پوچھا کہ کہو بھائی صاحب! اب کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے وہی اوّل کا حال عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہم تم کو دوا بتاتے ہیں، ہے تو وہ دوا موتیا بند کی فقط، مگر ان شاء اللہ تعالیٰ آنکھ کے ہر مرض کو فائدہ کرے گی، اور اس دوا کو سونے کے برابر تول کر دینا اور لینے والے سے کہنا کہ اگر کسی سبب سے فائدہ نہ کرے تو اپنا سونا ہم سے پھر لے جانا، اور جو اللہ تعالیٰ اس دوا سے تم کو فراغت دے، تو مہمانوں مسافروں کی خدمت للہ فی اللہ کیا کرنا، ان کو اپنا افلاس خیال کر کے اس بات پر تعجب ہوا کہ حضرت جب میرے گھر کے اخراجات سے بچے گا تب میں للہ فی اللہ ان کی خدمت کروں گا، آپ نے ان کی تسلی کی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے جانے کے بعد چند روز میں تم دیکھ لینا کہ کس طرح تمہارے گھر میں خیر و برکت اور ہر چیز کی فراغت ہوگی، آپ نے اس دوا کے اجزاء ان کو بتلا دیئے، اور جناب الٰہی میں ان کے لئے خوب دعا کی، پھر وہ اپنے مکان کو گئے۔

جب حضرت حج کر کے پھر کلکتہ میں مع الخیر آئے، تب تک وہ اس دوا کی بدولت اس قدر خوشحال اور صاحب مال ہو گئے کہ کوئی دو ہزار روپے کی ایک حویلی انہوں نے بنائی،

اور ایک امیرانہ کارخانہ ہوگیا، نوکر چاکر کھرلوں (دوا پیسنے کی کونڈی) میں وہی دوا پیس رہے تھے، اور صدہا خریدار آتے تھے اور سونے کے برابر تلوا کر لے جاتے تھے، تمام شہر میں ان کی دوا کی شہرت تھی۔

## کشائش رزق کے لیے سورہ مزمل کی کثرت تلاوت

ایک بار حضرت خاتم المحدثین امام المفسرین والاتمیز مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی برادری کے تین شخص قصبہ رہتک سے شاہ صاحب ممدوح پر فتوح کی خدمت سراپا برکت میں آئے، شاہجہاں آباد کے دو شخص اور بھی انہیں کے یاروں میں سے تھے، یہ پانچوں آدمی حضرت مولانا سے کہنے لگے کہ آپ ہمارے پیرومرشد ہیں، ہمارا جو اعتقاد آپ کی جناب مستطاب میں ہے وہ کہیں اور ہرگز نہیں، مگر اس امر میں ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے واسطے حضرت سید المجاہدین سے کچھ سفارش کریں، تو نہایت شفقت اور پرورش ہے۔ آپ نے فرمایا: کس بات کی سفارش چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم روزی روزگار سے بہت تنگ حال شکستہ مآل ہیں، آپ ان سے فرمائیں کہ جس طرح کا روپیہ ملاّ بخاری صاحب کو عطا کیا تھا، ہم کو بھی عنایت کریں یا اور کوئی دعا بتائیں، جس سے کشائش روزی اور رزق کی فراخی ہو۔ حضرت نے فرمایا: بہت خوب۔ اور مولوی محمد یوسف صاحب سے یہ حال بیان کیا کہ ہماری طرف سے تم جا کر سید صاحب سے کہو کہ ہماری برادری کے کئی آدمی آئے ہیں، سو وہ آپ سے اس بات کی امید رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب ممدوح نے یہ حال حضرت سید المجاہدین سے جا کر عرض کیا، آپ نے انہیں مولوی صاحب کی زبانی کہلا بھیجا کہ حضرت پیرومرشد کا جو ارشاد ہو تو میں وہیں خدمت بابرکت میں حاضر ہو جاؤں یا اگر مناسب ہو تو ان لوگوں کو یہاں بھیج دیں، مولوی صاحب نے یہ پیغام جا کر شاہ صاحب سے بیان کیا، انہوں نے فرمایا: یہ خود ان کے پاس جاتے ہیں، بلانا کوئی ضروری نہیں، اور ان پانچوں صاحبوں سے فرمایا: تم خود ہی ان کے پاس

جا کر اپنا حال جو کہنا ہو بالمشافہ اظہار کرو۔

وہ سب اصحاب حضرت سید المجاہدین کے پاس گئے، اور ملاقات سے مشرف یاب ہوئے، اور اپنا سارا مطلب بے تکلف بیان کیا، حضرت نے ان تینوں صاحبوں کو جو شاہ صاحب کی برادری میں تھے، اسی طرح کا ایک ایک روپیہ دیا، اور سمجھا دیا کہ اس روپے کو تم صرف نہ کرنا، بحفاظت تمام نگاہ رکھنا، ان شاء اللہ تعالیٰ کھانے کپڑے کو محتاج نہ رہو گے، اور ان دو صاحبوں سے جو شاہجہاں آباد کے تھے فرمایا: اگر تم سے ہو سکے تو سوا لاکھ بار سورۂ مزمل پڑھو، اس طریقہ سے کہ پاک جگہ ہو اور پاک تن اور پاک پوشاک اور کچھ خوشبو بھی سلگاتے جاؤ، اور نماز عشاء کے بعد علاحدہ مکان میں گیارہ بار درود شریف اور گیارہ بار سورہ فاتحہ اوّل پڑھو، پھر جتنی مرتبہ سورہ مزمل پڑھ سکتے ہو پڑھو، آخر کو وہی گیارہ بار درود اور گیارہ بار سورہ فاتحہ پڑھو، کچھ مدت میں سوا لاکھ بار پورا ہو جائے تو موقوف کرو، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے یہاں اس قدر روزی کی فراخی ہوگی کہ میں اس کا کچھ بیان نہیں کر سکتا، اور اگر تم سے نہ ہو سکے تو اکتالیس روز "یا مغنی" اور "یا باسط" گیارہ گیارہ ہزار دفعہ اسی قید سے پڑھو، مگر اس میں اوّل و آخر سات سات بار درود شریف اور سورہ فاتحہ پڑھو، جب چلہ پورا ہو چکے تب موقوف کرو، اس کے برابر تو اس میں فائدہ نہ ہوگا، مگر تو بھی اپنے اہل وعیال کے کھانے کا محتاج نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا: حضرت! ہم سے تو یہی ہو سکے گا، اور وہ تو بہت دشوار ہے، اسی میں اللہ تعالیٰ جو ہم کو دے گا وہی بہت ہے۔ پھر حضرت نے ان کو رخصت کیا وہ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

اس عرصہ میں کچھ دنوں کے بعد حضرت سید المجاہدین نے سہارنپور کا سفر کیا، وہاں چھ یا سات مہینہ رہنے کا اتفاق ہوا، جب وہاں سے شاہجہاں آباد کو تشریف لائے، وہی دونوں صاحب جن کو وظیفہ پڑھنے کے لیے فرمایا تھا، کچھ نذرانہ لے کر آپ کی ملاقات کو آئے، حضرت نے پوچھا: کہو! اب تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! اب تو بخوبی گزراں ہوتی ہے، جب ہم نے وہ وظیفہ اکتالیس دن پڑھا، اس کے کئی روز کے بعد اسی شہر کے ایک سوداگر نے ہم کو بلا کر نوکر رکھا، اور ہزاروں روپے کا مال واسباب ہم کو سپرد کر دیا، اب

ہم دونوں اسی کی دکان پر ہیں، آپ کے طفیل سے چین کرتے ہیں، کسی بات کی تکلیف نہیں۔ حضرت سید المجاہدین نے کہا: اگر تم سورہ مزمل سوالاکھ بار پڑھ لیتے، تو ایسے ایسے سو داگر تمہارے گماشتے ہوتے، مگر خیر جو کچھ ہوا وہی بہتر ہے، یہ بیان تو یہاں تک ہو چکا۔

اب رہے وہ تین شخص حضرت خاتم المحدثینؒ کی برادری کے، ان کا حال حضرت سید المجاہدین کے دورۂ حیات میں معلوم نہ ہوا، مگر حضرت سید المجاہدینؒ کی شہادت کے بعد میں نے ایک بار مولانا محمد اسحاق صاحب سے مولانا محمد یعقوب کے روبرو پوچھا کہ وہ جو تین شخص شاہ صاحب کے زمانہ میں رہتک سے آئے تھے، جن کو حضرت سید المجاہدین نے ایک ایک روپیہ دیا تھا، ان کا اب کیا حال ہے؟ مولانا صاحب ممدوح نے فرمایا: میاں دین محمد! وہ تو اب دال روٹی سے بہت خوش و محظوظ ہیں، تب سے ہم کئی بار ان کے یہاں گئے ہیں، ہر طرح سے ان کے یہاں روپیہ پیسہ کی فراخی ہے کسی چیز کا ہرج نہیں۔

## روزی میں برکت کا وظیفہ

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت سید صاحب کے پاس آئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، اس عرصے میں ایک شخص نے کہا: میں روزی سے بہت تنگ حال ہوں، کچھ ایسا فرمائیں کہ کشائش ہو، آپ نے فرمایا: تم ہر روز اوّل و آخر درود اور گیارہ سو بار "اللّٰہ الصمد" پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری روزی میں برکت کرے گا۔

اتنے میں ایک اور شخص نے بھی سوال کیا، اس کو فرمایا: تم اوّل و آخر درود شریف اور گیارہ سو بار ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (سورۃ الذاریات۔ آیت ۵۸، ترجمہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دینے والا قوت والا اور زور آور ہے) پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ تم کو کسی چیز کا محتاج نہ کرے گا۔

## جہاز پر حزب البحر کی تلاوت

حضرت سید صاحب حج کے لیے بحری جہاز سے روانہ ہوئے، مولوی محمد یوسف

صاحب کو بلا کر فرمایا کہ ہر روز صبح کو ہمارے پاس آیا کرو اور سورۂ زخرف کا پہلا رکوع پڑھا کرو، اور اس وقت بھی پڑھو۔ اسی طرح حضرتؒ کا معمول تھا کہ ہر روز نماز صبح کے بعد حزب البحر پڑھا کرتے تھے۔ یہ دعاء مبارک نہایت مستجاب نہایت سریع التاثیر ہے، اور اس کا ہر جملہ توحید اور دعا سے بھرپور ہے، حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سمندری سفر میں کشتی پر اس دعا کا القاء ہوا تھا۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ شیخ شاذلی موصوفؒ نے حج کے قریب اپنے دوستوں سے فرمایا۔ ان شاء اللہ اس سال عرفات کے موقف پر ہمیں ٹھہرنا ہوگا، جلدی کرو اور سامان سفر و کشتی کے اسباب تیار کرو، عرض کیا گیا، کشتی رانی کا موسم ختم پر پہنچ گیا ہے، سمندری سفر کا زمانہ نہیں رہا، حج بھی بالکل قریب ہے، یہ سفر کا کونسا وقت ہے؟ جواب میں فرمایا: ہم اپنے آپ کو وہیں دیکھ رہے ہیں، شک وشبہ میں نہ پڑو، چنانچہ اب ان کا حکم بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، ایک ٹوٹی پھوٹی بے ساز وسامان کشتی مل گئی، فرمایا: بسم اللہ کر کے اسی کو تیار کرو، اور اللہ پر بھروسہ کر کے اسی پر سوار ہو کر چل دیئے، سمندری طوفان وغیرہ جو اس موسم میں آتے ہیں، ایسے آئے جن کا تصور بھی نہ تھا، اسی حالت میں حضرت رسالت مآب رسول اللہ ﷺ نے یہ حزب انہیں تلقین فرمائی۔ اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کشتی موجوں میں اس طرح چل رہی تھی جیسے ہوا میں اڑ رہی ہو، شیخ موصوف یہی حزب پڑھ رہے تھے، تھوڑی ہی مدت میں خلاف معمول مکہ معظّمہ پہنچ گئے، کشتی کا مالک نصرانی کافر تھا، وہ بھی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہوا، اور شیخ کا مرید ہو گیا۔ (زاد المتقین، اردو ترجمہ ص ۲۴۳)

## مدینہ کے راستہ میں

مکہ میں حج سے فارغ ہو کر حضرت سید صاحب کا قافلہ مدینہ کی طرف جا رہا تھا، رابغ میں شتر بانوں نے سہارن پور کے لوگوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور ان کو مارا پیٹا، کسی نے سید صاحبؒ سے جا کر عرض کیا کہ بدوؤں نے مولوی وحید الدین سہارنپوری پر تلوار سے حملہ کیا،

آپ نے امام خاں خیر آبادی اور محسن خاں بریلوی کو اشارہ فرمایا کہ تحقیق کریں، پیچھے سے آپ نے امام خاں کے بھائی ابراہیم خاں کو بھیجا۔

سید عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے بھی حکم ہوا کہ خبر لاؤ، میرے ہاتھ میں چھڑی تھی، میں دوڑتا ہوا پہنچا، ایک پتھر میرے ہاتھ پر اتنے زور سے پڑا کہ میں نے چھڑی دوسرے ہاتھ میں لے لی، دوسرا پتھر دوسرے ہاتھ پر ایسا لگا کہ چھڑی ہاتھ سے گر گئی اور میں نے زمین سے اٹھالی، یہ دیکھ کر میرے بڑے بھائی سید احمد علی دوڑے آئے، ایک پتھر ان کے بھی لگا، شیخ الطاف حسین دوڑے، انہوں نے بھی سر پر پتھر کا زخم کھایا، قافلے کے اکثر لوگ زخمی ہوئے، خود سید صاحبؒ کے سینے پر بھی ایک دو پتھر لگے، آپ نے بلند آواز کے ساتھ اپنے قافلے کو بدوؤں کو مارنے سے روکا، اس وجہ سے اکثر اہل قافلہ مجروح ہوئے اور کسی بدو کو ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ قافلے کے اکثر لوگ زخمی ہو گئے، تو انہوں نے کھجور کی ٹہنیاں لے کر حملہ کیا، بدوؤں کو سخت چوٹیں آئیں اور وہ پسپا ہو کر پہاڑ پر بھاگ گئے، تھوڑی دیر کے بعد ان سب نے بندوق کے فتیلے روشن کئے اور کمر میں جنبیاں باندھ کر جنگ کے لئے آمادہ ہوئے، سید صاحبؒ نے ''حزب البحر'' پڑھ کر دعا فرمائی اور آدھے قافلے نے کوچ کیا، اس وقت ایک دوسرا شیخ الجمّالین اپنے ماتحتوں کے ساتھ مسلح ہو کر سید صاحبؒ کے قافلے کو اپنے پیچھے لے کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر اور خود اپنے آدھے گروہ کو قافلے کی حمایت پر آمادہ پا کر عورتوں اور بچوں نے شور و غوغا بلند کیا اور اپنی سختی کو بھول گئے، شیخ الجمّالین نے کہا کہ ''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے سب ہتھیار مکہ معظّمہ میں چھوڑ دیئے اور زیارت کے لئے یوں ہی خالی ہاتھ مکہ سے چل کھڑے ہوئے، اگر ان کے پاس ہتھیار ہوتے تو تم کو اشاروں میں عدم کا راستہ دکھاتے، یہ لوگ چونکہ محض راہ خدا میں نکلے ہیں، میں اس للّٰہی گروہ کا للہ فی اللہ مددگار رہوں، دوسرے شیخ الجمّالین نے جو مخالف تھا، یہ دیکھ کر اپنے حمایتیوں کو اینٹ پتھر پھینکنے سے منع کر دیا، ان لوگوں نے چاہا کہ اپنے اونٹ لے کر اپنے گھر کا راستہ لیں اور ساتھ چھوڑ دیں، مگر ایک دوسرے کے سمجھانے سے یہ طے ہوا کہ دونوں فریقوں کے

زخمی سوار ہو جائیں اور وادی صفراء میں پہنچ کر جہاں رئیس الجمالین رہتا ہے اس کے سامنے اس قضیے کا فیصلہ ہو۔

وادی صفراء میں پہنچ کر رئیس الجمالین کو سب واقعہ سنایا گیا، رئیس الجمالین بڑے اشتیاق کے ساتھ ایک جماعت لے کر سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، شتر بانوں کی شرارت کا حال سن کر ان کو ملامت کی اور برطرف کیا اور دوسرے شتر بانوں کو ان کے اونٹوں کے ساتھ قافلے کی خدمت کے لئے متعین کیا، ان شتر بانوں میں سے ہر ایک خدمت گزار، فرمانبردار، نیک سیرت اور نرم خو تھا، اہل قافلہ کی ایک آواز پر یہ لوگ دوڑتے تھے اور کسی خدمت سے عذر نہ تھا، بقیہ سفر بڑی راحت و آرام اور محبت و ہمدردی کے ساتھ طے ہوا، جب ان جمالوں کی رخصت کا وقت آیا تو ہر ایک کو دوسرے کی جدائی کا رنج تھا۔

## توجہ دینے کی تعلیم

سید صاحب کے ایک خادم خاص مولوی فتح علی فرماتے ہیں کہ آپ کے لشکر ظفر پیکر میں ایسے بہت لوگ تھے کہ توجہ دینے اور توجہ لینے سے واقف نہ تھے، میں بھی اس حال سے واقف نہ تھا، ایک دن مجھ سے فرمایا کہ تم کچھ لوگوں کو توجہ دو، مجھے چوں کہ علم نہ تھا مگر ادب کی وجہ سے میں کچھ عذر نہ کر سکا، ان آدمیوں کو ساتھ لے کر مولانا ولایت علی مرحوم و مغفور کے پاس گیا، اور اپنی ناواقفی کا حال بیان کیا کہ مجھ کو تو کچھ معلوم نہیں، میں ان کو توجہ کیوں کر دوں؟ انہوں نے کہا: حضرت امیر المومنینؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو جناب الٰہی سے اجازت ملی ہے کہ تو توجہ دینے کے لیے اپنی طرف سے جس کو حکم کرے گا، اگر چہ وہ جانتا بھی نہ ہو اس کو فیض حاصل ہوگا، یہ تو میری طرف سے ہے۔ سو میاں فتح علی: تم ان کو لے جا کر بٹھاؤ، اور خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے اپنے دل کی طرف متوجہ ہو، اور ان بھائیوں سے بھی کہو کہ تم بھی دنیا کے سب کاروبار کا خیال اور اندیشہ ترک کر کے اپنے اپنے دل کی طرف متوجہ ہوں، یہ بات سن کر میں ان لوگوں کو لے گیا، اور وہی بات تعلیم کر کے ان کو بٹھایا، میں بھی بیٹھا اور توجہ دینے میں مشغول ہوا، کچھ دیر

کے بعد وہ زمین پر لوٹنے لگے، ان کا شور وغل سن کر باقی لوگ اس حالت استغراق سے ہوشیار ہو گئے، اور ان تینوں شخصوں کو پکڑا، وہ ہوش میں آئے، میں نے ان آٹھوں شخصوں سے پوچھا: جو کچھ حال تم نے دیکھا ہو بیان کرو، ہر ایک نے اپنا ایک الگ عجیب وغریب معاملہ بیان کیا، کسی نے کہا میں نے ایسا دریا دیکھا، کسی نے کہا میں نے ایسا باغ دیکھا، غرض ہر ایک نے ایسا حال بیان کیا کہ میں نے کبھی نہ دیکھا تھا، اور نہ کسی سے سنا تھا۔ میں ان کو حضرتؒ کے پاس لے گیا، آپ نے مجھ سے فرمایا: ان کا حال بیان کرو، میں نے عرض کیا کہ آپ انہیں سے پوچھیں یہ خود بیان کریں گے۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا، ہر ایک نے جدا جدا حال جیسے مجھ سے بیان کیا تھا، اسی طرح حضرتؒ کے سامنے بے کم وکاست و بے زیاد عرض کیا، اسی طرح سب لوگ بھی توجہ لے کر آپ کے پاس آئے اور بیان کیا۔

## ''لاالہ الا اللّٰہ'' کی برکت

ایک مرتبہ سید صاحب اپنے لشکر کے ساتھ ولایت افغانستان کے موضع خویشگی میں رونق افزا تھے، نماز مغرب کے بعد حضرت کے خادم خاص میاں عبداللہ صاحب نے آکر حضرتؒ سے عرض کیا کہ یہ بستی چھوٹی ہے، یہاں کھانے کی جنس کم ملتی ہے اور لشکر میں بہت لوگ ہیں، آپ نے اس وقت تمام حاضرین سے فرمایا: ہم دعا کرتے ہیں تم سب مل کر آمین کہو۔ آپ سر برہنہ دعا میں مشغول ہوئے اور سب لوگ آمین کہنے لگے، جب دعا سے فارغ ہوئے تب فرمایا: بھائیو! ہر شخص اس وقت سے عشاء کی اذان تک ''لاالہ الا اللّٰہ'' پڑھے، سب نے وہی کیا، اذان عشاء کے بعد ایک شخص آپ کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ آٹے کی کشتی دریا کے کنارے موجود ہے، اپنے لوگوں کو بھیج کر منگوالیں۔ حضرتؒ نے یہ سن کر میاں عبداللہ صاحب سے کہا: تم کچھ لوگوں کو لے جا کر وہاں سے آٹا لے آؤ، اور یہاں لا کر جا جم پر جمع کرو، میاں عبداللہ صاحب تو اس طرف آٹا لینے کو گئے اور یہاں حضرتؒ نے وضو کر کے لوگوں کو نماز عشاء پڑھائی، جب لوگ وہاں سے آٹا لائے، یہاں لشکر میں ایک جا جم پر جمع کر دیا، تب

میاں عبداللہ صاحب نے آکر حضرت امیر المومنینؒ سے عرض کیا کہ سب آٹا وہاں سے آ گیا۔ آپ نے پوچھا۔ کس قدر ہوگا؟ کہا: پندرہ من کے قریب ہوگا۔ آپ نے فرمایا: جب تک ہم وہاں نہ آئیں، آٹا تقسیم نہ ہو۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس میں سے تھوڑا سا آٹا اٹھالیا، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت، رزّاقی اور اپنی مفلسی محتاجی کا دیر تک بیان کرتے رہے، اور بسم اللہ کر کے وہ آٹا اسی انبار میں ڈال دیا اور جاجم کے دونوں کونے لوٹوا دیئے، اور فرمایا کہ دو روزہ سب کو تقسیم کر دو۔

اس وقت لشکر ظفر پیکر میں قریب پندرہ سولوگوں کی جمعیت تھی، شیخ باقر علی صاحب آٹا تقسیم کرنے لگے، ہندوستانی اور قندھاری غازیوں کو دو روز کا غلہ دیا، اور ملکی لوگ تو وہیں نزدیک کے رہنے والے تھے، اپنے اپنے گھروں سے اکثر لوگ کھا کر آئے تھے، اور جو اپنے گھر سے کھا کر نہیں آئے تھے ان میں سے جس نے مانگا اس کو بھی دیا، جب سب کو تقسیم کرنے کے بعد بھی کچھ آٹا بچ گیا، تب جا کر حضرتؒ سے کہا کہ سب کو دے کر اس قدر آٹا بچا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ آٹا ہمارے باورچی خانہ کے شیخ قادر بخش کے حوالہ کر دو۔ اسی وقت لوگوں نے اپنی اپنی جماعت میں روٹیاں پکائیں اور کھا پی کر اپنے اپنے عہدے پر قائم ہوئے، چوکیدار اپنے پہروں پر اور راؤنڈ والے اپنے راؤنڈ لگانے پر ایک بڑے انتظام اور بندوبست کے ساتھ متعین ہوئے جیسا کہ ہونا چاہئے، آخر الامر وہ رات بیداری اور ہوشیاری کے ساتھ تمام ہوئی، اسی میں فجر کی اذان ہوئی، سب نے حضرتؒ کے ساتھ نماز پڑھی، اور اپنا اپنا اسباب لاد کر کوچ کی تیاری کرنے لگے۔

## جہاد کے راستے میں

حضرت سید احمد شہید کے لشکر ظفر پیکر کا پہلا مقابلہ سکھوں سے ہونے جا رہا تھا، اور چھاپہ مار لشکر تیار تھا، آپ نے اللہ بخش خان صاحب جماعت دار کو بلایا اور لڑائی کے چند قوانین تعلیم فرمائے اور کہا: ہم نے اس چھاپے کی جماعت کا تم کو امیر مقرر کیا، اس وقت تم کچھ لوگوں کو

لے کر دریا کے پار اس کنارے ٹھہرو، جب اور لوگ یہاں سے جا کر تمہارے پاس جمع ہوں، تب سب صاحبوں سے یہ کہہ دینا کہ ہر شخص گیارہ گیارہ بار سورۂ لایلاف (سورۃ القریش) پڑھ لے، پھر وہاں سے کوچ کرنا، اللہ تعالیٰ مدد کرے گا۔

خان ممدوح چند آدمی ساتھ لے کر کشتی پر سوار ہو کر دریا کی طرف گئے، اور وہاں ٹھہر کر باقی لوگوں کا انتظار کرنے لگے، اور یہاں لشکر ظفر پیکر میں حضرتؒ نے نماز عشاء کے بعد جن جن کے نام فرد میں تھے ان کو بلایا، اور فرمایا: بھائیو! یہاں سے وہ مکان جہاں جانا ہوگا چھ سات کوس ہے، جس کو اتنی دور جانے اور پھر آنے کی بخوبی طاقت ہو، تو وہ جائے اور نہیں تو نہ جائے، اور جس کو کچھ بیماری وغیرہ کا عذر ہو، وہ بھی بیان کر دے، ہم اس کے عوض کسی اور کو بھیجیں، وہاں جو حاضر تھے وہ تو سب جانے ہی کی نیت سے آئے تھے، اور ہر کسی کو یہی اشتیاق تھا کہ ہم جائیں، اگرچہ کچھ عذر بھی تھا، مگر جب حضرتؒ نے اپنی زبان ہدایت بیان سے یوں فرمایا تب دو چار آدمیوں نے ان میں سے اپنی ناطاقتی وغیرہ کا عذر معقول بیان کیا، آپ نے ان کے عوض دوسروں کو کر دیا، اور یہ بات آپ نے اس لئے فرمائی تھی کہ لشکر میں سب طرح کے آدمی ہیں، بیمار بھی ہیں تندرست بھی، ایسا نہ ہو کہ وہ جانے کے قابل نہ ہو، اور ہمارے کہنے سے جائے اور اس کو اذیت ہو، یا آپ ہی سے کوئی عذر کرے کہ میں نہ جاؤں گا، اس میں وہ گنہ گار ہو جائے کہ امام کا حکم ماننا فرض ہے۔

اسی طرح ایک اور جنگ کے موقع پر حضرت علیہ الرحمۃ نے جنگی پوشاک پہنی، اور ہتھیار لگائے، ہندوستانی اور قندھاری غازیوں کی تعداد آٹھ نو سو کے قریب تھی، سب کو موقع موقع پر صف باندھ کر کھڑا کیا، اور سب سے کہا کہ جب تک ہم بندوق نہ چلائیں، تم میں سے کوئی نہ چلانا، اور جب تک ہم دیوار کود کر اس پار نہ جائیں، کوئی تم میں سے نہ جانا اور صف کے آگے آپ ادھر سے ادھر چہل قدمی کرتے تھے، اور یہی کلام فرماتے تھے، اور یہ بھی سب سے فرمایا کہ سب بھائی جن کو سورۂ لایلاف (سورۃ القریش) یاد ہو، گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیں، اور اسی کا ورد رکھیں، اور جن کو یاد نہ ہو، ان پر دوسرے پڑھ کر دم کر دیں، یہ

فرما کر اپنا رائفل تو دیوار سے کھڑا کر دیا، اور خود متوجہ الی اللہ ہوئے۔

## مجرب و نایاب سرمہ

ایک مرتبہ افغانستان میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو جس کی آنکھیں دکھ رہی تھیں آنکھوں کی دوا بتائی، حضرت نے فرمایا: ایک سرمہ بہت مجرب مجھ کو معلوم ہے، اور وہ نسخہ مجھ کو کلکتہ میں سلطان ٹیپو کے بیٹے سے ملا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک تولہ بہت عمدہ سرمہ ہو اور اسی قدر بہت عمدہ ممیرہ (ایک دوا جو آنکھ کی بینائی کے لیے مفید ہوتی ہے) اور ڈھائی سو عدد جگنو کیڑے ہوں، ان تینوں چیزوں کو مینہ کے پانی میں پیس کر اٹھا رکھے، یہ سرمہ آنکھ کے اکثر امراض کے لیے فائدہ دیتا ہے۔

## وبا سے حفاظت

حضرت سید صاحب نے اپنے سفراء کو اعلام نامے دے کر افغانستان سے شاہ بخارا کے پاس بھیجا تھا، وہاں حضرت سید صاحب کے سفراء تقریباً تین مہینہ رہے، اسی دوران وہاں پر اچانک سے طاعون پھیلا، کہ شہر کے صدہا آدمی ہر روز مرنے لگے، تمام اہل شہر گھبرا گئے، میاں جی چشتی صاحب نے استانقل رسالدار سے جس کے گھر میں سفراء ٹھہرے ہوئے تھے کہا: اس آسیب اور وبا سے محفوظ رہنے کے لیے ہمارے پاس سید صاحب کا بتایا ہوا ایک عمل ہے، اگر اجازت ہو تو ہم کریں، وہ بہت خوش ہوئے، اور کہا: آپ ضرور کریں، میاں جی صاحب نے ان سے ایک بے داغ سیاہ بکری منگوائی، اس کو وہیں نہر میں نہلایا، اور کچھ سورتیں کان میں دم کی، اور اس کو ذبح کیا، اس کا گوشت پکوا کر تھوڑا تھوڑا ان کے سب لوگوں کو کھلوایا، اور اپنے ہمراہیوں کو بھی کھلایا اور آپ نے بھی کھایا، رسالدار کو بھی کھلایا، ان کے یہاں لونڈی غلام اور گھر کے عورت و مرد، لڑکے بالے سب ملا کر اسّی آدمیوں کے قریب ہوں گے۔ عنایت الٰہی سے سب کے سب سلامت اور محفوظ رہے، اس بلا میں کوئی مبتلا نہ ہوا۔

## ایک مجرب عمل اور اس کا طریقہ

حضرت مولانا حیدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عنایت اللہ نامی کلکتہ کا ایک شخص مجھ سے نقل کرتا تھا کہ حضرت خاتم المفسرین والمحدثین مولانا ومرشدنا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ وبا اور طاعون کے دفع کے واسطے یک رنگ سیاہ، بے داغ ایک بکری لے، اور سہ شنبہ (منگل) کے دن پاک پانی سے نہلا کر اس کو کسی جگہ باندھ دے، اور مال حلال سے اس کو چارہ دانہ کھلائے، اور چوتھے دن جمعہ کے روز اوّل درود پڑھے، پھر سورہ فاتحہ پھر سورۂ کافرون، سورۂ اخلاص، سورۂ خلق اور سورۂ ناس ایک ایک بار پڑھے، اور تین بار یہ آیت پڑھے، ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ (سورہ دخان) اور اس کے داہنے کان میں دم کرے، اور روئی سے اس کا کان بند کردے، اس کے بعد ایک آدمی یا چند آدمی مگر طاق عدد ہوں، ایک ہزار بار یہ دعا پڑھ کر اس کے کان میں دم کریں۔ "أعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات التامات التي لايجاوز هن بر وفاجر من شر ماخلق وذرأ وبرأ، ومن شرما ينزل من السماء ومن شرما يعرج فيها، ومما ذرأ في الأرض ومن شرما يخرج منها، ومن شر فتن الليل والنهار، ومن شر كل طارق الاطارقا يطرق بخير، يارحمن"۔ (كنز العمال كتاب الأدعية) کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ "موطا امام مالك" میں بھی یہ دعا وارد ہوئی ہے۔

یہی سب دعا پڑھ کر اس کے کان میں دم کرے، پھر اس کو ذبح کرے، اور جو چیز اس میں کھانے کے قابل نہ ہو، اس کو زمین میں دفن کردے، اور اس کو پکا کر جتنے لوگوں کو تھوڑا تھوڑا گوشت کھلائے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ صدمہ اور وبا سے محفوظ رہے گا، اور یہ دعائے مذکور کھڑے ہو کر پڑھے بیٹھ کر نہ پڑھے، اور اگر پنج شنبہ کے روز بکری کو غسل دے کر یکشنبہ کے روز یہی سب پڑھ کر اور کانوں میں دم کر کے ذبح کریں تو بھی درست ہے۔ انتہیٰ۔

☆☆☆☆☆

# مصادر و مراجع


صراط مستقیم

مخزن احمدی

منظورۃ السعداء

دہلی اور اس کے اطراف

سیرت سید احمد شہید

سید احمد شہید

خیر المسالک

روحانی رشتے

تصوف و تقشّف

سیرت النبی ﷺ

رسالہ اشغال

صدائے دل

تسہیل قصد السبیل

وقائع سید احمد شہید

سوانح احمدی

ارواح ثلاثہ

اللہ کے سفیر

تذکرہ سید احمد شہید

شریعت و طریقت

سلاسل اربعہ

تاریخ دعوت و عزیمت

زاد المتقین

تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر

حیاۃ القلوب

شبستان معرفت

تعلیمات رحیمی